دوبارہ چھاپا ہے، یہ شرح اور اس کے محاسن و معائب اتنے مشہور و معروف ہیں کہ اس کیلئے کسی تعارف و تبصرہ کی ضرورت نہیں،

ملکہ حیات بخشی بیگم از جناب نصیر الدین ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۴ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت ۱۲؍ پتہ سب رس کتاب گھر خیریت آباد حیدرآباد دکن،

دکن کے اسلامی دور میں قطب شاہی خانوادہ کی ملکہ حیات بخشی بیگم ایک نامور ملکہ تھی جو اپنے کارناموں سے دکن کی تاریخ میں اپنا نام چھوڑ گئی، وہ سلطان محمد قطب شاہ کی بیوی، سلطان محمد قلی کی لڑکی اور اس کی مشہور حرم بھاگ متی المقلب بہ حیدر محل کے بطن سے تھی، وہ بڑی مدبر اور ہوشمند تھی، قطب شاہی دور کی تاریخ میں اس کے بہت سے سیاسی، علمی، تہذیبی اور تعمیری کارنامے ہیں، اس کتاب میں اسکے مختصر حالات اور کارنامے تحریر کئے گئے ہیں،

آہنگِ حجاز از جناب پنڈت بال مکند عرش ملسیانی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحات کاغذ کتابت و طباعت نفیس و دیدہ زیب قیمت عہ؍ پتہ: مرکز تالیف و تصنیف نکودر مشرقی پنجاب،

مشہور شاعر جناب عرش ملسیانی اگرچہ ہندو ہیں، مگر اُن کے قلب سلیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کا نقش بھی ہے اور انھوں نے بارگاہ رسالت میں نعتوں کی نذر عقیدت پیش کی ہے آہنگِ حجاز ان نعتوں کا مجموعہ ہے انکی تعداد اگرچہ کل گیارہ ہے مگر وہ کیف و اثر میں ڈوبی ہوئی اور کسی راسخ العقیدہ مسلمان کی نعتوں سے کم نہیں ہیں اور ان سے ذات نبوی کیساتھ شاعر کی سچی عقیدت ٹپکتی ہے، شاعری کے لحاظ سے مصنف استاد ہیں اسلئے یہ نعتیں شاعرانہ محاسن سے بھی آراستہ ہیں، اس کے شروع میں مولانا عبدالماجد صاحب کے نکتہ سنج قلم سے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ ہے، اس تاریک دور میں جب کہ فرقہ پرستی و تنگ دلی نے انسانیت و شرافت کا خاتمہ کر دیا ہے دوسرے مذہب کے ساتھ یہ نسبت قابل تقلید ہے اور ایک بڑی قومی خدمت ہے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اسکی عقیدت کا صلہ عطا فرمائے،

"م"

جلد ۷۴ ماہ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۵۴ء عدد ۲

مضامین

شذرات

ہندو مہاسبھا نے شدھی کی تحریک کا جو تازہ فتنہ کھڑا کیا ہے اس کا مقصد درحقیقت ہندو مذہب کی تبلیغ نہیں، بلکہ صرف فرقہ پرستی کی آگ بھڑکا کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنا ہے، اس مرتبہ اس تحریک میں عیسائیوں کی شدھی بھی شامل کر لی گئی ہے، مگر اس کا اصلی رُخ مسلمانوں کی جانب ہے، اور بعض مہاسبھائی لیڈروں نے بقیہ صاف اعلان کر دیا ہے، کہ اگر مسلمان سمجھانے بجھانے اور نرمی و آشتی سے شدھ نہ ہوئے تو جبر و قوت سے اُن کو ہندو بنایا جائیگا، اس قسم کی آوازیں پہلے بھی بارہا اُٹھ چکی ہیں، مگر اُن کی حیثیت ایک وقتی ہنگامہ سے زیادہ نہ تھی، مگر اس مرتبہ جس منظم شکل میں یہ تحریک اٹھائی گئی ہے اس سے امن و امان کے لئے بڑے خطرات ہیں،

ہندوستان ایک سیکولر حکومت ہے، یہاں ہر مذہب کی تبلیغ کی آزادی ہے، نہ کسی فرقہ کو اس سے روکا جا سکتا ہے، اور نہ کسی کو جبری تبلیغ کی اجازت دی جا سکتی ہے، مگر مہاسبھا ان دونوں اصولوں کو توڑنے پر تلی ہوئی ہے، اس کا مقصد دوسرے مذاہب کی تبلیغ کو روکنا، اور ہندو مذہب کی جبریہ تبلیغ کرنا ہے، ہندوستان کے مسلمان تو اس زمانہ میں اپنے مذہب کی تبلیغ کا تصور بھی نہیں لا سکتے، اگر کبھی بھولے سے بھی کوئی ہندو اپنی خوشی اور رضامندی سے مسلمان ہو جاتا ہے، تو اس کا خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑتا ہے اور ایک نو مسلم کے بدلے میں بہت سے مسلمانوں کی جانیں خطرہ میں پڑ جاتی ہیں، ایسی حالت میں مسلمان اپنے مذہب کی تبلیغ کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے، مگر ہندو مہاسبھا انھیں چھیڑ چھیڑ کر فتنہ برپا کرنا چاہتی ہے،

عیسائیوں کے لئے البتہ اُن کے مذہب کی تبلیغ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، مگر ان پر الزام یہ ہے کہ غیر ملکی مشنریاں ہندوستان کے خلاف سازش کرتی ہیں، اگر اس کا شبہ ہے تو حکومت کو اس کی تحقیقات کر کے اس کا تدارک کرنا چاہئے، مگر ہندو مہاسبھا کو عیسائیوں کے ستانے اور تنگ کرنے کا حق نہیں ہے، اس نے مختلف مقامات پر اُن کے ساتھ جبر و ایذا رسانی

کیا ہے وہ نہایت نازیبا ہے، دوسرے مذہب کی توہین و تحقیر اور اس کے ماننے والوں کی دلآزاری سے کسی مذہب کی تبلیغ نہیں ہوتی، بلکہ اس سے اور زیادہ نفرت و کراہت پیدا ہوتی ہے، اور یہ اس کا اعتراف ہے کہ اس مذہب میں کوئی خوبی اور کشش نہیں ہے، صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ اپنے مذہب کی خوبیان بیان کی جائیں، اور اپنے عمل سے اسکا نمونہ پیش کیا جائے، مہاسبھا نے جو رکیک طریقہ اختیار کیا ہے، وہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کا مقصد تبلیغ نہیں، صرف فتنہ انگیزی اور اپنی کثرت کے بل پر دوسرے فرقوں کو ستانا ہے

مہاسبھا یہ خوب سمجھتی ہے کہ وہ شدھی کے ذریعہ کسی ایک عیسائی اور مسلمان کو بھی ہندو نہیں بنا سکتی، اس لئے وہ ان اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئی ہے، ورنہ شدھی کو تو مسلمان خاطر میں بھی نہ لاتے، پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ذکر نہیں، الحمد للہ اس گئی گذری حالت میں بھی عوام اور جاہل مسلمانوں تک میں اتنی دینی حمیت اور اسلام کی برتری کا اتنا احساس ہے کہ ہندو مذہب کا کیا ذکر کوئی دوسرا مذہب بھی وہ اختیار نہیں کر سکتے، جب عیسائی مشنریوں کو مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں کامیابی نہیں ہوئی تو شدھی کی تحریک کا کیا شمار ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ حکومت مہاسبھا کی امن سوز حرکتوں پر خاموش رہتی ہے، اور جب اس کی فتنہ انگیزی کے بُرے نتائج ظاہر ہوتے ہیں، تو الٹے مسلمانوں پر مصیبت آتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو صبر و سکون سے کام لینا چاہئے اور ہر قسم کی فرقہ پرستی سے اپنا دامن بچائے رکھنا چاہئے، گو یہ تحریک ایک بڑے فتنہ کی شکل میں نمودار ہوئی ہے، مگر جس کی بنیاد ہی غلط اور تخریب پر ہو، وہ عارضی ہنگامہ تو برپا کر سکتی ہے، مگر کامیاب نہیں ہو سکتی، اور جب مسلمان اس کے وار کو خالی دیں گے تو اور بھی جلد ختم ہو جائے گی،

مسلمان تو مجبور و بے بس ہیں، وہ خاموشی کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں، مگر حکومت عیسائیوں کے ساتھ مہاسبھائیوں کی زیادتیوں کا عیسائی دنیا کو کیا جواب دے گی، اس وقت اس کی سیکولرزم کا بھرم دنیا کے سامنے کھل جائے گا، یہ تحریک درحقیقت تنہا مسلمان اور عیسائیوں کے خلاف نہیں، بلکہ حکومت کے خلاف بھی ہے، اور اس کے بُرے نتائج کا سب سے زیادہ اثر حکومت ہی پر پڑے گا، اسلئے اسکو ابھی سے اس فتنہ کا انسداد کرنا چاہئے، ورنہ وہ قابو سے باہر ہونے کے بعد ملک کے امن و امان اور کانگریسی حکومت دونوں کو لے ڈوبے گا،

مولانا ابوالکلام کی معارف پرور وزارت نے جو اہم علمی و ثقافتی کارنامے انجام دیئے ہیں، ان میں ایک بڑا کام نیشنل اکیڈمی آف لیٹرز یا ساہتیہ اکیڈمی کا قیام ہے، یہ اکیڈمی گذشتہ مارچ میں فرانس کی مشہور نیشنل اکیڈمی کے طرز پر قائم کی گئی ہے، جس کے ممبروں کی کل تعداد چالیس ہے، اور اس میں ملک کے صرف نامور اور منتخب اصحاب علم و کمال لئے جاتے ہیں، ساہتیہ اکیڈمی کے ممبروں کی تعداد ہندوستان کی آبادی کے لحاظ سے ۷۵ رکھی گئی ہے، اس میں ۲۴ مختلف ریاستوں کے نمائندے ہوں گے، ۱۴ دستور ہند کی ۱۴ تسلیم شدہ زبانوں کے، اور ۱۴ یونیورسٹیوں کے اصحاب علم و ادب ہوں گے، اس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو نائب صدر سر رادھا کرشنا اور سکریٹری کے اے کرپلانی ہیں،

اس اکیڈمی کے علمی، ادبی اور ثقافتی مقاصد کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور اس کا کوئی اہم پہلو اس کے باہر نہیں ہے، مثلاً (۱) علمی و ثقافتی اداروں اور یونیورسٹیوں کے کاموں میں تعاون پیدا کرنا، اور علمی و ادبی اداروں کے قیام اور ترقی میں مدد دینا، (۲) دوسری زبانوں کی اہم علمی کتابوں کے ہندوستانی زبانوں میں ترجمے اور ہندوستانی زبانوں کی اہم کتابوں کے دوسری زبانوں میں ترجمے کی ہمت افزائی اور اس کا انتظام کرنا (۳) ہندوستانی زبانوں کی اہم علمی تصانیف کی اشاعت میں اشخاص اور اداروں کو مدد دینا، (۴) علمی کانفرنسوں اور نمائشوں کا انتظام کرنا، (۵) بلند پایہ تصانیف کے مصنفین کی انعام اور اعزاز سے ہمت افزائی کرنا، (۶) ہندوستانی زبانوں اور اُن کے ادب پر تحقیقات کی ترغیب دینا، (۷) عوام میں علمی مذاق پیدا کرنے کی کوشش اور اس کے ذرائع اختیار کرنا (۸) ہندوستان کے مختلف علاقوں کو ایک دوسرے کی علاقائی زبان کی تعلیم، اور اس کے مطالعہ کی جانب مائل کرنا، (۹) ملک کے مختلف رسم الخطوط کی اصلاح، دیوناگری رسم الخط کی اشاعت و ترقی کی کوشش اور علاقائی زبانوں کی تصانیف کو دیوناگری میں لکھانا، (۱۰) دوسرے ملکوں میں کلچرل وفود بھیجنا، اور وہاں کے وفود کو ہندوستان بلانا اور بین الاقوامی انجمنوں کے ادبی کاموں میں تعاون کرنا،

اس سے اس اکیڈمی کے کاموں کی وسعت و اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، اور یقین ہے کہ مولانا ابوالکلام کے علم نواز اور علم پرور دور وزارت میں یہ اکیڈمی اپنے کاموں کے ذریعہ علمی دنیا میں ایک اہم مقام حاصل کرے گی،

مقالات

مینا بازار کا مصنف

از

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب لکھنؤ یونیورسٹی

(۲)

میں نے لکھا ہے، کہ مینا بازار کا رنگ اس لحاظ سے سہ نثر سے ملتا جلتا ہے کہ دونوں میں مترادف الفاظ کی کثرت، استعارات و تشبیہات کی فراوانی اور مقفّی عبارتیں پائی جاتی ہیں، مگر (۱) بلند پروازی اور شعریت جو ظہوری کی نثروں کا زیور ہے، اس سے مینا بازار عاری ہے، امثلۂ ذیل قابل غور ہیں،

"شمال گلشن وفاق را تا کید غنچۂ دل شگفانیدن و صرصر کوے نفاق را تشدید غبار بر خاطر نشانیدن"

کس خوبصورتی سے یہ خیال ادا ہوا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں ہر طرف مہر و محبت کا چرچا ہے فتنہ و فساد نفاق و دشمنی کے سارے راستے بند ہو چکے ہیں،

"خط بندگی خطش در بغل چہرۂ لالہ رویان تا روان سازش بر دوش مرغولہ مویان"

بادشاہ کی خطاطی، اور کمال سازندگی کا اس سے بہتر و لطیف بیان ممکن نہیں ہے،

"تمناے ارباب ہنر بہ پیرایۂ التفاتش معشوق حصول"

کہنا یہ ہے کہ ہنرمندون کی قدردانی اس علم پرور عہد مین بے حد ہوتی ہے، "تمنا" عاشق حصول ہوتی ہے یعنی "تمنا" مقصد برآری کی عاشق ہوتی ہے لیکن یہان معاملہ برعکس ہے، تمنا خود التفات شاہی کی معشوق ہے یعنی خود بادشاہ ارباب ہنر کو تلاش کر کے ان پر انعام کی بارش کرتا رہتا ہے، اسی خیال کو پھر یون ادا کیا ہے:

"در ہیچ چیز حسن ہنر[۱] نہان نگردیدہ کہ تمیزش آشکارا بآن عاشقی نورزیدہ"

حسن ہنر جس چیز مین بھی ہو بادشاہ کی نظر وہان تک پہنچ جاتی، اور ہنرمند حسب دل خواہ انعام سے سرفراز ہوتا،

"نقطۂ خامۂ ابہامش در گنجینۂ اسرار شوخیٔ شعلۂ توضیحش صیقل آئینۂ اظہار"

خضر لب تشنۂ سیرابی ادا مسیحا مردۂ جان بخشی ہوا

کتاب نورس کے اطراز ادا مین وہ سیرابی ہے کہ خضر (باوجود آب حیات جاننے کے) بھی اس پر عاشق (لب تشنہ) ہین، اور حضرت مسیح اس کے جان بخش کیفیت کے جان دادہ (مردہ) ہین،

ان مثالون سے صاف ظاہر ہے کہ سہ نثر دراصل نثر مین شعر کا بہترین نمونہ ہے، مینا بازار کا تنہا ذکر نہین، بلکہ اس طرح کی کوئی دوسری نثر سہ نثر کے پایہ کی نہین ہو سکتی،

(ب) سہ نثر مرجز کا بہترین نمونہ ہے جس کے کافی حصے کسی نہ کسی بحر مین موزون ہو جاتے ہین، غالب نے ایک رقعہ مین تحریر کیا ہے،[۲]

حضرت ظہوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہین:

"دراتیش سردی گلشن فتح خنجرش ماہی دریاے ظفر، وزن اس کا فعلاتن فعلاتن فعلن ہے، کاتبون نے مقفیٰ کرنے کے واسطے صورت بدل دی، اور کچھ تصرف کیا ہے کہ نثر مرجز رہی نہ مقفیٰ"

[۱] ایک رجعہ ذہنی کے دشنام یا فرہ کو بادشاہ نے سونے کے عوض خرید لیا تھا، ملک قمی کہتا ہے (ربیع الانہار)

شاہ کہ دشنام برغبت خرد — نقد دعا را بہ چہ قیمت خرد

[۲] ملاحظہ ہو ادبی خطوط غالب ص ۱۶،

بعض نسخون مین "گلشن فتح" کے بعد "ونصر" کا اضافہ ہے، غالب نے اسی تحریف کی طرف اشارہ کیا ہے، صہبائی بھی اسی طرح کا خیال ظاہر کرتے ہین،[۱]

"این عبارت شعرا است نہ نثر و فرد است مطلع نیست" احتیاج تبدیل ضرب بامجز تو انداز و بار تکلف بر دوش توان برداشت"

اس اعتبار سے سہ نثر مینا بازار کے طرز سے متفاوت ہے،

(ج) سہ نثر کی ایک نمایان خصوصیت یہ ہے کہ اس کے جملون کی ساخت اور جذبات و خیالات مین ہم آہنگی ہے، جس طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہین، اسی طرح کے جملے صفحۂ قرطاس پر آتے رہتے ہین، ہر پیراگراف مین ابتدا مین مرکب اور لمبے جملے ملین گے، جون جون خیالات مین تیزی و روانی پیدا ہوگی، جملے چھوٹے ہوتے جائینگے، بالآخر ایسے جملے ملین گے، جن مین افعال و روابط محذوف ہون گے، مثلاً کتاب یون شروع ہوتی ہے:

"سرد سرایان عشرت کدۂ تال کہ نورس صراتبان حال کار کام و زبان ساختہ بہ شہد ثناے صانع عذب البیان اند کہ چاشنی نغمہ ہاے شکرین در رگ و پے نے دوانیدہ"،

پیراگراف کا آخری جملہ:

"بلبان خنقار بلبلان بنواے او نغمہ خیز"،

یا مثلاً ایک پیراگراف کا ابتدائی جملہ یہ ہے:

"زہے اسکندر افلاطون فطنت کہ دانائی و دارائی، از و در پناہ ہم می بالند"

آخری جملہ:

"گوہر در نظر بے قدرتر از ریگ بصحرا وغیرہ وغیرہ"،

اس طرح کا التزام نہ مینا بازار مین ہے اور نہ کسی اور کتاب مین،

[۱] شرح سہ نثر ص ۵۰،

(د) ظہوری کی تمام نثروں میں شعر کا حصہ وافر ہے، میرا قیاس یہی ہے کہ ظہوری کا یہ خاص طرز ہوگیا تھا، چنانچہ سہ نثر کے علاوہ اس کی نثری تصنیف میں رقعہ بنام فیضی، اور رقعہ بنام عماد خان ہیں، اور ان دونوں رقعوں میں نظم کا حصہ نثر سے کم نہیں، سہ نثر کا حال سب کو معلوم ہی ہے پہلی دونوں نثروں میں مثنوی اور آخری میں قصیدے، قطعے، اور مثنوی کے ابیات کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں، اس کے برخلاف مینا بازار میں صرف دو ہیں جن میں سے ایک بیت ظہوری کے ساقی نامے کی ہے، اس اعتبار سے بھی مینا بازار اور سہ نثر کے طرز میں کافی فرق ہوگیا ہے،

گو سہ نثر کے اشعار میں فن شعریت کی کمی نہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اس کتاب کی نثر میں زیادہ شعریت ہے یا نظم میں؟ اس اعتبار سے بھی بہت کم تصنیفیں اس کے ہم پلہ ثابت ہوں گی،

معترض نے تین قیاسات یعنی اوّل و دوم اور چہارم کے مقابلے میں جوابی قیاس آرائی کی ہے، مگر مجموعی حیثیت سے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ان دونوں زیر بحث کتابوں کے طرز میں بلحاظ براعت استہلال[1]، ابراہیم عادل شاہ کی تعریف، اشعار کے استعمال، نام کے اظہار، نثر میں صنعت و مینا کاری، رنگینی و شعریت و علوِ تخیل میں کافی مغائرت ہے، مگر اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں،

(ا) اُس نے یہ تحریر دوسرے کی فرمایش پر لکھی تھی، اس لئے اس میں ظہوری کی دوسری تحریروں کی شان پیدا نہ ہوسکی اسکے علاوہ شنیدہ کی ہوئی چیز اور دیکھی ہوئی چیز کے بیان میں فرق ہونا ضروری ہے، ان دیکھی چیز کی مصوری میں وہ زورِ قلم پیدا نہیں ہوسکتا، جو دیکھی ہوئی چیز میں ہوتا ہے،

(ب) ظہوری کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ اپنے محبوب اور دیارِ محبوب کے علاوہ کسی اور دوسرے مقام و شخص کے لئے زورِ قلم صرف کرے،

---

[1] معارف ص ۱، ۳ س ۱۶، ۱۹۵۲ء ص ۳۶۰،

(ج) نظم کا نمونہ ایک نہایت بعید از قیاس دلیل ہے"

آپ نے ملاحظہ کیا کیسی بعید از قیاس تاویلات ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ظہوری اور ابراہیم عادل شاہ میں وہی تعلقات ہیں، جو مجنوں اور لیلیٰ میں تھے، وہ ابراہیم کے عشق میں اس درجہ سرشار ہے کہ اپنے حواس کی خبر نہیں رکھتا، نہ کسی شخص کی تعریف کر سکتا ہے، اور نہ کسی جگہ کی، مجنوں نجد کے جنگلوں میں رہ نورد تھا تو ظہوری بیجاپور کی گلیوں کی خاک چھانتا تھا، حالانکہ اُس نے قیام بیجاپور کے زمانہ میں متعدد آدمیوں کی مدح میں قصیدے بھی لکھے، اور غزلیں بھی کہیں، خان خاناں کی مدح آخر حیات تک جاری تھی، چنانچہ مآثر رحیمی میں ہے کہ سنہ ۱۰۲۵ ہجری کے قریب اُس نے دو قصیدے اور ایک ترکیب بند خان خاناں کی مدح میں کہے، اور خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر خان کی خدمت میں بھیجا، مؤلف مآثر کے سامنے وہ نظمیں خان کے سامنے پیش ہوئی تھیں، اور اُن کا حامل اکبری قاصد متعینہ دربار عادلشاہی مسمّی بہ میر جمال الدین حسین انجو شیرازی تھا[1]، ان حالات میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی تاویلات کے متعلق کیا عرض کیا جائے، اگر مینا بازار کو ظہوری کی تصنیف ثابت کرنا تھا، تو ضروری تھا کہ اس میں سے علوِ تخیل کی ایسی مثالیں پیش کرتے جن میں ظہوری کی شان ہوتی، دوسرے قیاس کے جواب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نثر کی متعدد مثالیں مینا بازار میں ملتی ہیں، جملوں اور پیراگراف کی ساخت اور خیالات و جذبات میں ہم آہنگی کی مثالیں مینا بازار میں تلاش کرنے کی ضرورت تھی، جس سے میرے قیاس کی تغلیط ہوسکتی، مگر چونکہ اس طرح کی مثالوں کی تلاش بے سود تھی، اس لئے اس بحث میں پڑنے کے بجائے، فوراً تسلیم کر لیا گیا کہ اس قسم کی مغائرت کے باوجود مینا بازار ظہوری کی تصنیف ہے، کیونکہ دونوں میں[2] چند فقرے، چند تشبیہیں اور چند خیالات یکساں ہیں، اگر اتحادِ تصنیف کا یہی معیار قرار دیا جائے، تو شاید دنیا کی یا کم از کم ایک زبان کی ساری تصنیفیں چند مصنفین کی میراث ہو کے رہ جائیں، "بسط انبساط" کی ترکیب جو مینا بازار اور

---

[1] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۳۹۰، [2] معارف ص ۱، ۲، ۳، ۴، ۳۶۰،

سہ نثر دونوں میں پائی جاتی ہے محض اس سے دونوں کتابوں کا ایک ہی مصنف کے قلم کی تراوش ہونے میں ادنیٰ شبہہ نہیں ہوسکتا، غالباً فاضل معترض کے علم میں یہ بات نہیں کہ یہ خود ظہوری کا تراشیدہ فقرہ نہیں ہے متقدمین کے یہاں بعینہٖ یہی فقرہ پایا جاتا ہے،

نظم کے حصہ کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے جو ارشاد کیا وہ بالکل حسب حال ہے، چونکہ اس کی ادنیٰ توجیہ بھی ممکن نہ تھی، اس لئے اس کا سرے ہی سے انکار کردینے کے علاوہ دوسرا کوئی چارہ کار ہی نہ تھا،

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس کا تعلق ڈاکٹر محمد احمد کے اعتراض کے جواب سے ہے، موصوف کے مضمون میں چند قابلِ توجہ فروگذاشتیں بھی پائی جاتی ہیں، اُن کا ازالہ سطور ذیل میں کیا جاتا ہے،

(۱) مؤلف کا خیال ہے کہ ظہوری کا کلیات طبع ہوچکا ہے[۱]، جو سراسر غلط ہے، اس کا دیوان غزل، ساقی نامہ اور سہ نثر تو الگ الگ مختلف مطبعوں میں حلیۂ طبع سے آراستہ ہوچکے ہیں، مگر پورا کلیات کبھی نہیں طبع ہوا، اور مؤلف کے سامنے ظہوری کا پورا کلیات بھی نہیں ہے،

(۲) ڈاکٹر صاحب احمد علی کی شخصیت سے بالکل واقف نہیں، اس کی مخزن الغرائب فارسی کا ایک اہم اور ضخیم تذکرہ ہے، میری کتاب ظہوری میں تذکرہ کا نام متعدد جگہ درج ہے، مگر وہ اُسے کسی کتاب[۱] کہتے ہیں، یہ تذکرہ طبع نہیں ہوا، مگر اس کے متعدد نسخے ہندوستان میں موجود ہیں، کامل نسخے بانکی پور، اعظم گڈھ (دار المصنفین) لاہور، اور (غالباً) حیدرآباد میں موجود ہیں، پہلی جلد کی متعدد کاپیاں رام پور کے سرکاری کتاب خانے میں محفوظ ہیں،

(۳) سہ نثر گلزار ابراہیم "سہ نثر خوان خلیل[۱]" دونوں فقرے مہمل ہیں، ان کا عنوان دیباچۂ گلزار ابراہیم اور دیباچۂ خوان خلیل ہونا چاہئے، جیسا عرض کیا جاچکا ہے، یہ دونوں گلزار ابراہیم اور خوان خلیل کے دیباچے ہیں، آج سے تین سال قبل میں نے گلزار ابراہیم اور خوان خلیل پر ایک مضمون اورینٹل کانفرنس کے سولھویں

[۱] معارف نمبر ص ۳۵۹، ص ۱۶، ۳۶۲ ص ۳۶۲، ص ۴، ص ۳۶۹ ص ۸، ص ۳۰، ص ۱، ص ۴

اجلاس میں پڑھا تھا جو بعد میں معارف مارچ ۱۹۵۳ء کے شمارہ میں شائع ہوا، اور فروری ۱۹۵۴ء میں کتابی شکل میں بھی آگیا ہے، اور خود فاضل معترض کے پیش نظر میری کتاب ظہوری تھی، اس میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے، ظہوری کے مصنفات پر تحقیق کرنے والے فاضل کا سہ نثر کی تاریخی حیثیت سے اس درجہ نابلد ہونا جب کہ گذشتہ تین سال میں اس پر کافی مواد فراہم کیا جاچکا ہے، حد درجہ حیرت خیز و افسوسناک ہے،

(۴) کتاب ظہوری کے ص ۳۴۴ کے جملوں کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا،

"دونوں کتابوں (مینا بازار و پنج رقعہ) کی تصنیف بڑی حد تک مشتبہ و مجہول ہے، لیکن حسب ذیل قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کو ظہوری کی بہ نسبت کسی مصنف کی طرف (خواہ وہ واضح ہو یا نہ) منسوب کرنا صحیح ہوگا"

ڈاکٹر موصوف نے یہ ترجمہ کیا ہے[۱] :

مینا بازار ممکن ہے کہ واضح کی تصنیف نہ ہو، کسی اور کی ہو، لیکن ظہوری تو کسی طرح اس کا مصنف ہو ہی نہیں سکتا "

میں نے صرف اس کے ظہوری کی تصنیف ہونے میں تامل ظاہر کیا ہے، مگر معترض نے خواہ مخواہ "ظہوری تو کسی طرح اس کا مصنف ہو ہی نہیں سکتا" لکھکر میری طرف یہ منسوب کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ میں نے قطعی طور پر اُسے ظہوری کی تصنیف ماننے سے انکار کردیا ہے، صاحب نظر جان سکتا ہے کہ اصل بات کیا ہے اور اُسے کیونکر پیش کیا جارہا ہے،

(۵) اوپر کے ترجمے کے بعد معترض نے جو جملے لکھے ہیں وہ قابلِ توجہ ہیں،

"اب تک تو اختلاف صرف دو ہی مصنفین یعنی ظہوری یا واضح میں تھا، مگر ڈاکٹر صاحب (راقم الحروف) نہ صرف یہ کہ ظہوری کو اس کا مصنف نہیں مانتے، بلکہ تیسرے مصنف کا امکان پیدا

[۱] معارف ص ۳۵۹، ۳۶۰ و ۳۶۵،

کر دینا چاہتے ہیں،

کر دینا چاہتے ہیں کی بنیاد بڑے پر فریب تخیل پر ہے، مطلب یہ ہے کہ میں واقعہ کو اصل شکل میں پیش نہیں کرنا چاہتا، بلکہ اپنی بات ثابت کرنے کے لئے خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر پیش کرتا رہتا ہوں، میں بیباکی سے عرض کرتا ہوں کہ میری تحریر میں کچھ نہ کچھ فروگذاشتیں مل جائیں گی، اور اگر کوئی دعوی کرے کہ اس کی تحریر اس سے پاک ہے تو دعوی بے بنیاد ہے، محقق کو غلطیوں سے مفر نہیں، لیکن بات کو غلط طور پر پیش کرنا میری فطرت کے خلاف ہے، مینا بازار کی نسبت کے سلسلہ میں کتاب بھر میں سوائے مذکورہ بالا قول کے اور کہیں بھی ایک جملہ ایسا نہ ملے گا جس میں کوئی رائے دی گئی ہو، اور اس جملے میں جس رائے کا اظہار ہے وہ بھی قطعی یا حرفِ آخر کی حیثیت نہیں رکھتی، میں نے صرف شبہہ اور تامل کا اظہار کیا ہے، اور یہ اظہار بارہ تیرہ سال کی مسلسل تحقیق تلاش کے بعد ہوا ہے، اس کے باوجود مجھ پر اعتراض[۱۵] ہے کہ اس نتیجہ پر پہنچنے میں میں نے جلدی کی، اگر میں ذرا اور غور اور توجہ سے کام لیتا تو میں بھی ظہوری ہی کی بارہ میں فیصلہ کرتا، خیر شکر کا مقام ہے کہ "ذرا اور" کے فقرے سے کم از کم یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ میں نے کچھ غور و فکر سے کام لیا، شکر کا مقام اس لئے ہے کہ قلم معترض کے ہاتھ میں تھا، وہ جو چاہتے لکھ دیتے، ان کا ہاتھ کون پکڑتا، مگر ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ فاضل معترض نے کس کس طرح پر مینا بازار کو بغیر کسی شک و شبہہ کے ظہوری کی ملک قرار دیا ہے، حالانکہ ان کی تحقیق و تلاش کی مدت مشکل سے ایک ماہ ہو سکے گی،

ظہوری سے فاضل معترض کی بہ نسبت مجھے قدرتی طور پر زیادہ لگاؤ ہے، اس لئے اگر مینا بازار بھی اس کے مصنفات میں شامل ہو جاتی، تو اس کے مجموعہ میں ایک گونہ اضافہ ہو جاتا، مگر میں جذبات کی بات نہیں کرنا چاہتا، تحقیق بہرحال تحقیق ہے، دل کچھ کہے دماغ جو فیصلہ کرے گا، اسی پر عمل ہوگا، ممکن ہے اس طرح کی تحقیق ادب و شعر کے منافی ہو، جن کی زندگی کا محور دل ہی ہے، مگر باوجود اس کے

---

[۱۵] معارف ص ۳۶۵ ص ۱۶-۱۷)

تحقیق کا معیار یہی ہے اور یہی رہے گا،

تیسرے چونکہ مجھے مینا بازار اور واضح کے چند مصنفات کے طرز میں کافی تفاوت نظر آیا[۱۶] اس لئے میں کیونکر یہ حکم لگا سکتا تھا کہ وہ واضح کی تصنیف ہے، فاضل معترض کو حکم قطعی صادر نہ کرنا حیرت انگیز معلوم ہو، مگر میرے نزدیک اس طرح کا قطعی فیصلہ کرنا اصول کے خلاف ہے،

ع ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

ایک دوسرا قیاس یہ ہے کہ واضح کے کلیات کے نسخے میں یہ کتاب شامل نہیں ہے،

ایک کمزور قیاس یہ بھی ہے[۱۷] کہ مینا بازار عہدِ اکبری کی ایجاد ہے واضح عالمگیر اور اس کے بعد کے عہد میں ابتدائے ایجاد میں تو اس طرح کی کتاب جاذب نظر ہو سکتی تھی مگر اورنگ زیب اور اس کے بعد کے زمانے میں اب یہ کوئی کیف باقی نہ تھا۔

(۶) مضمون میں فاضل معترض نے کہیں بھی کوئی حوالہ نہیں دیا ہے، تحقیقی مضامین میں حوالہ درج نہ کرنا بہت بڑی کوتاہی ہے، میرے خیال میں وہ اس وجہ سے حوالہ درج نہ کر سکے کہ اس سلسلہ کی بیشتر کتابیں اُن کی دسترس سے باہر ہیں، بعض اوقات حوالہ نہ درج کرنے سے بڑی گمراہی پیدا ہو جاتی ہے،

(۷) نعمت خان عالی کی کتاب وقائع کے متعلق معترض نے لکھا ہے[۱۸] کہ

"اورنگ زیب کو جب اس کا حال معلوم ہوا، تو کسی برہمی کے بجائے خود یہ ہجو سنی، اور سن کر بہت ہنسا، اور نعمت خان عالی کو انعام سے سرفراز کیا"

یہ روایت محتاج تحقیق ہے، اس میں بہرحال افسانوی رنگ غالب ہے، وقائع کے تمام اجزا تعریض

---

[۱۶] خصوصاً دیباچہ مثنوی آئینہ راز اور تاریخ ارادت خان جو صاف اور سلیس طرز میں ہیں [۱۷] مینا بازار نام کی ایک کتاب اردو میں بھی پائی جاتی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کافی عرصہ گذرنے کے بعد بھی یہ ایک دلچسپ موضوع خیال کیا جاتا تھا[۱۸] معارف ص ۳۶۳،

یا ہجو کے بہترین نمونے قرار نہین دیے جاسکتے، اس کے بعض حصے اس درجہ عریان اور فحش ہین کہ اُن کی داد دینا ناممکن ہے[1]،

(۸) محمد احمد صاحب نے لال قلعہ دہلی کو مینا بازار کا جاے وقوع بتایا ہے، جو بالکل غلط ہو، لال قلعہ اکبر کے پوتے شاہ جہان کے زمانے مین ۱۰۴۸ھ ہجری مین تعمیر ہونا شروع ہوا[2]، یہ بازار آگرے کے قلعہ مین لگتا تھا جسے اکبر نے اپنی حکومت کے تیسرے سال[3]، محرم ۹۶۶ھ ہجری کو دارالخلافہ قرار دے دیا تھا اور حکومت کے دسوین سال[4] وہان کے قلعہ کی بنیاد ڈالی گئی، اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ مینا بازار کی ابتدا ۹۷۲ھ ہجری کے بعد ہوئی ہوگی،

(۹) مین نے اپنی کتاب ظہوری مین آفیس گائڈ بک کے حوالہ سے لکھا ہے[5] کہ زنانہ مینا بازار کا جاے وقوع مچھی بھون تھا جو دیوان عام سے متصل ایک بڑا گھرا ہوا میدان ہے، مردون کا بازار اکبری دروازہ سے

[1] چودھری نبی احمد صاحب نے "وقائع عالمگیر" مین کامگار خان کے عقد کے موقع پر نعمت خان عالی کے ہجو یہ قطعے کے سلسلے مین جو اطلاع دی ہے، اور جس مین عالی کی اور جگت گوسائین کی ہجو کا ذکر ہے، اس سے یہ ہرگز ثابت نہین ہوتا کہ خود بادشاہ اس کی ہجو کو پسندیدہ نظر سے دیکھتا تھا، اور یہ قیاس کہ بادشاہ نے "پیشتر در باب ما تقرر نبود" سے وقائع کی طرف اشارہ کیا ہے، من وعن تسلیم نہین کیا جاسکتا، اور خود سننے اور انعام دینے کا خیال سراسر بے بنیاد ہے، [2] ملاحظہ ہو دہلی گائڈ ص ۱، جہان برنیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شاہ جہان نے اپنی حکومت کے گیارھوین سال دلی کو دارالخلافہ قرار دے کر ۱۰۴۸ھ ہجری مین قلعہ کی بنیاد ڈالی، [3] ملاحظہ ہو اکبرنامہ ج ۲ ص ۷۶، وطبقات اکبری کا جلد ۲ ص ۱۳۸ [4] ملاحظہ ہو طبقات اکبری ج ۲ ص ۱۷۹، و بدایونی ج ۲ ص ۷۴، ۵ سال مین بن کر تیار ہوا، اور تین کروڑ کی لاگت صرف ہوئی تھی، فیضی نے دروازے کی یہ تاریخ کہی تھی:-

"بناے در بہشت" اور یہ بھی تاریخ ہے: "شد بناے قلعۂ بہر زنہ"

[5] ایضاً ص ۳۳۷، ۳۳۰، (حاشیہ)

پچھم مین لگتا تھا، اس اطلاع پر ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے حسب[1] ذیل قیاس قائم کیا ہے،

"یہ بازار دہلی مین تو یقیناً اور شاید آگرہ اور فتح پور سیکری مین بھی لگتا تھا، لیکن حال کے ایک مصنف (راقم الحروف) نے ...... اس بازار کا مچھی بھون اور اکبری دروازہ مین بھی منعقد ہونا بیان کیا ہے، جو میرے علم کے مطابق اودھ کے دارالسلطنت شہر لکھنؤ کے مقامات ہین، اگر یہ صحیح ہے تو ممکن ہے کہ واجد علی شاہ عرف "جان عالم پیا" نے کہ وہ بھی کسی راجا اندر سے کم نہین تھے، اپنی دیگر نسوانی تفریحات مین اُسے بھی شروع کر دیا ہو"

جیسا اوپر عرض کیا جاچکا ہے دہلی مین تو یہ بازار لگتا ہی نہ تھا، صرف آگرے کا قلعہ اس کا محلِ وقوع تھا، جس مچھی بھون کے متعلق شبہہ کیا جارہا ہے کہ وہ لکھنؤ مین ہو، وہ دراصل قلعہ کا ایک حصہ تھا[2] جو دیوان عام سے ملا ہوا تھا، اس کے ایک عمدہ حوض مین بیگمات کی تفریح کے لئے مچھلیان پلی ہوئی تھین، اسی مناسبت سے اس کو مچھی بھون کہتے تھے، دیوان عام اور مچھی بھون دونون اکبر ہی کی تعمیر کی ہوئی عمارتین ہین، اکبری دروازہ دراصل درشنی دروازہ ہے، جو موتی مسجد سے بائین سمت واقع ہے، اسی مین بادشاہ بیٹھتا تھا، تو رعایا اس کا درشن کرتی تھی، یہین بعض ارکانِ خواص بھی آتے، اور مہمات حکومت پر غور بھی ہوتا تھا،

ناظرین ملاحظہ کرین گے کہ بات فقط اتنی سی تھی، جس کو بڑھا کر کہان سے کہان پہنچا دیا ہے، کہان اکبر کے عہد مین قلعۂ آگرہ[3] کا بازار اور کہان واجد علی شاہ (جانِ عالم پیا) کے نسوانی تفریحات و تقاضے،

(۱۰) محمد احمد صاحب نے اپنے مضمون مین دوسرے مینا بازار کے متعلق حسب[4] ذیل خیال کا اظہار کیا ہے،

[1] مین مضمون ختم کر رہا تھا کہ ڈاکٹر محمد احمد صاحب کی مرتب کی ہوئی "مینا بازار" کا علم ہوا، جس کے ص ۷ پر یہ عبارت ملے گی، اپنے مضمون مین بھی اسی طرح کا خیال ظاہر کیا تھا، مثلاً ملاحظہ ہو معارف ص ۳، ۴ س ۳ تا، [2] مثلاً دیکھئے "آگرہ (اے گائیڈ فور ٹورسٹ) ص ۲۰ و ۲۳ [3] معارف ص ۳۵۰،

"یا پھر اُس دور سے مینا بازار کی طرف ذہن جاتا ہے جس کی بقول شیخ[1] ابراہیم عادل شاہ نے بیجا پور میں داغ بیل ڈال دی تھی"

بقول شیخ[1] سے غالباً ڈاکٹر ریو مراد ہیں[2]، مگر ریو کے اس قیاس کی کوئی بنیاد نہین، یہ محض فرضی افسانہ ہی، تعجب ہی کہ خود فاضل مضمون نگار نے بھی جو ریو کے اس قیاس کی تردید کی ہی،

"بیجا پور مین بھی زنانہ بازار لگتا تھا، جو کسی تاریخی اور معتبر ماخذ سے ثابت نہین"

معتبر ماخذ کا ذکر ہی کیا ہے کسی نیم تاریخی ماخذ سے بھی اس قیاس کی تائید نہین ہوتی ہی کیا یہ اجتماعِ ضدین کی مثال نہین ہی،

چونکہ یہ مضمون تحقیق کے بعض اصول پر ضرب کاری لگاتا ہے، اس لئے مضمون ختم کرنے سے پہلے چند باتین درج کرنا ضروری ہین

(۱) کسی محقق کو تحقیق کے تمام اصول سمجھے بغیر قلم نہ اٹھانا چاہیے، اور دورانِ تحریر مین یہ اصول ہر وقت پیشِ نظر رکھنا ضروری ہی،

(۲) موضوع سے پوری دلچسپی و خلوص پیدا کرنا تحقیق کا پہلا زینہ ہے، جب تک خلوص پیدا نہ ہوگا، غلط راستے پر پڑ جانے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہی،

(۳) تحقیق مین جذبات کا کسی قسم کا عمل دخل نہین، حقائق کی تلاش ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیے،

(۴) صرف مواد کا جمع کر لینا تحقیق نہین ہی، کھرے اور کھوٹے مین رطب و یابس مین فرق کرتے رہنا چاہیے، اسی کو (Sifting) کہتے ہین

---

[1] ریو ج ۲ (صفحہ ۴۲)،
[2] معارف ۱-۲۶۲،

(۵) موجودہ طریق تحقیق مین تقدم زمانی کو خاص اہمیت حاصل ہی، متقدم روایات کو، معاصرین کے بیانات اور داخلی شہادات سب سے زیادہ معتبر و قابلِ توجہ ہوتے ہین،

(۶) تحقیق مین غیر ضروری قیاسات اور دور از کار توجیہات سے پرہیز کرنا چاہیے، قیاس بغیر قرائن کے معتبر نہین ہو سکتے،

(۷) تحقیق کے دوران مین کوئی قطعی فیصلہ بہت مشکل سے ہو سکتا ہی، اسی لئے اپنے نتیجے کو مشروط طور پر پیش کرنا چاہیے،

اقبال رومیؒ اور شنکر اچاریہ

از

ڈاکٹر عشرت حسن انور ایم اے ، پی ، ایچ ، ڈی لکچرار شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف جون ۵۵ء)

| سگنڑبرہم सगुण یا ایشور ब्रह्म | اسی بات کو شنکر نے بھی اپنے طور پر پیش کیا ہے ، وہ بھی رومی کی طرح برہم (ذات حق) کو نرگن (निर्गुण) سگھ نہ یہ نہ یہ (नेति नेति) مانتے ہوئے ایک مخصوص |

زاویۂ خیال سے جامع ہمہ صفات (सगुण ब्रह्म) بھی تسلیم کرتے ہیں چونکہ ذات حق (برہم) کے علاوہ کوئی وجود بذاتہ نہیں ہے اسلئے تمام کائنات مع تمام صفات کے اسی سے متعلق ہے ، اور اسی کی کرشمہ سازی تخلیق پروری (مایا) کے زور[1] (माया-) سے تمام کثرت منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہے ، چنانچہ نرگنڑ برہم (ذات بیچون) جب مایا (ذوقِ تخلیق) سے متعلق ہوتا ہے ، تو اس حالت میں وہ جامع صفات ہونے کے سبب سے سگنڑ برہم (सगुण ब्रह्म) یا ایشور (یعنی معبود) کہلاتا ہے ، اور اسکی ذات تمام صفات کا مخرج اور مرجع ہونے کے سبب سے قابل پرستش ہے ، اور ذوق عبادت کی تسکین کرتی ہے ،

اس کو شنکر نے اپار برہم (अपर ब्रह्म) یعنی چھوٹے برہم کے نام سے بھی تعبیر کیا ہے ، یہ

---

[1] یہ لفظ بہت غلط نما ہے ، الفاظ محدود ہونے کی وجہ سے معنی اور حقائق کے پورے متحمل نہیں ہوتے ، اس طاقت کو جو عمل تخلیق سے متعلق ہو بہتر طریقے سے لیلا (लीला) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ، ہماری آپکی تمام آرٹ اور فنون لطیفہ اسی ذوق تخلیق پروری کے مرہون منت ہیں ،

وہ ذات ہے جس سے عبد و معبود کا تعلق قائم کیا جا سکتا ہے ، ذات حق اگر قطعی بے نیاز ہے تو اس سے کسی قسم کا تعلق پیدا کرنا اور اس کو اسمائے حسنیٰ منسوب کرنا قطعی محال ہے[1] ہر ایک صفت (اسم) ظاہر ہے کہ ذات کی ایک بہت محدود اور مختصر تفسیر ہے ، اور اصل ذات قطعی اس سے ماورا رہتی ہے ، اس لئے صفات سے منسوب ہوئے (یعنی مایا سے متعلق ہوئے) برہم کو سگنڑ برہم (सगुण ब्रह्म) بنانا یا چھوٹا برہم (अपर ब्रह्म) کہنا غیر مناسب نہیں ہے ، رومی بھی اس کے مؤید ہیں اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ، مثلاً :-

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف	میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا
فخلقت الخلق ،	جاؤں اس لئے مخلوق کو پیدا کیا ،

یہ مخفی خزانہ ہونا صفات سے غیر متعلق ہونے کی حالت کے مترادف ہے ، تقریباً بالکل اسی طرح چھاند گے اپنشد میں آیا ہے :-

तद्वैक्षत बहु स्याम	اس نے چاہا کہ میں بہت ہو جاؤں ،

| مایا माया | مندرجۂ بالا علت و معلول اور ذات وجود کے نظریہ کو تسلیم کرنے کے بعد شنکر اچاریہ اور مولانا |

روم دونوں کے یہاں یہ سوال بہت اہم ہے کہ اگر وجود ایک ہے ، جیسا کہ ہم دونوں کے یہاں ثابت کر آئے ہیں ، تو پھر یہ کثرت افراد و اشیا کیا ہے ، اور کیوں ہے ، تمام وحدت الوجودی حکما کیلئے یہ سوال اس لئے بہت اہم ہے ، کیونکہ جب تک اس کا شافی جواب نہ دیا جائے ، اس وقت تک وحدۃ الوجود کا اثبات مشتبہ ہی رہتا ہے ، ہر ایک نے اس گتھی کو سلجھانے کی بقدر حوصلہ کوشش کی ہے ، رومی اور شنکر کے یہاں بھی یہ سوال خاص اہمیت رکھتا ہے ، اور ان دونوں کا حل بڑی حد تک ایک دوسرے سے مشابہ ہے ،

شنکر کے نزدیک جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں ، وجود حقیقی ایک ہے جس کو وہ برہم (ذات حق) کے

---

[1] دیکھئے اقبال رومی اور شنکر از مصنف معارف بابت جون ۵۵ء (ص ۴۶۴)

نام سے تعبیر کرتے ہین، اب تخلیق کائنات کے سلسلہ مین چند مسائل قابلِ غور ہین شنکر اچاریہ نے تخلیق کے تمام دوسرے نظریات کی تنقید کرنے کے بعد مندرجۂ ذیل حقائق کو بطور مقدمہ قائم کیا ہے[1] اور انہی کی بنیاد پر اپنا نظریہ پیش کیا ہے :-

(ا) تخلیق کے لئے کسی مادہ کی ضرورت نہین ہے[2] کیونکہ اگر اس کی ضرورت ہوگی تو مادہ کا وجود بھی برہم" (ذاتِ حق) کے ساتھ ساتھ قدیم قرار پائے گا، اور سوال پیدا ہوگا کہ اس کو کس نے اور کس طرح پیدا کیا،

(ب) برہم (ذاتِ حق) سے اس کے محیط کل ہونے کے سبب عمل تخلیق خارج مین وقوع پذیر نہین ہوسکتا، اس ضمن مین خارج کا لفظ اس لئے بے معنی ہے، کہ اس کے علاوہ کچھ بھی فی اصلہ موجود نہین ہے،

(ج) جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہین معلول علت ہی کے حدود مین کسی نہ کسی طرح رہتا ہے اس لئے مخلوق عمل تخلیق سے پہلے کسی نہ کسی طرح علت (ذات برہم) مین موجود تھی،

ان مقدمات کو ثابت کرنے کے بعد جو بظاہر اظہر من الشمس ہین شنکر جب تخلیق کے فعل پر غور کرتے ہین تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ درحقیقت مخلوق کا وجود اس کے معلول ہونے اور پہلے سے موجود ہونے کے سبب محض اعتباری ہے یعنی ذات جو درحقیقت ایک تھی اب بوجہ عمل تخلیق (مایا) کثرت مین جلوہ نما نظر آتی ہے اگر حقیقت بین نظر سے دیکھا جائے تو درحقیقت اصل حقیقت ایک ہی ہے، اور وہی حقیقی طور پر موجود ہے،

---

[1] برہم سوتر کے دوسرے ادھیائے پر شنکر کا جو بھاشیہ ہے وہ اسی کے لئے مخصوص ہے۔ رچنا نوپپتیش ناو (रचनानुपपत्तेश्च नानुमानम्)
(ترجمہ: ادوپردھان (مادی نیچر) جگت کا سبب نہین ہے، چونکہ اس کے ذریعہ گوناگون قسم کی تخلیق ناممکن معلوم ہوتی ہے، (برہم سوتر ادھیائے دوسرا، دوسرا پاد، اشلوک پہلا)

[2] (تدیکشت بہو سیام پرجائیے) (तदैक्षत बहु स्यां प्रजायेय) (۶:۲:۳) ترجمہ اُس ست (ذات) نے خواہش کی کہ مین بہت ہو جاؤن اور طرح طرح سے پیدا ہون، (چھاندوگیہ اپنشد ۶:۲:۳)

لیکن تخلیق کے فعل کا یہ شاہکار ہے کہ وہ ذات جو درحقیقت عین وجود ہے، بوجہ تخلیق پر دری (مایا) سنسار (संसार) کائنات) کے طور پر نظر آتی ہے، اور یہ ذاتِ حق (برہم) کی کرشمہ سازی (مایا) کا کمال ہے کہ کچھ ہوتے ہوئے کچھ اور دکھائی دینے لگتی ہے، یعنی عالم ذات کی جگہ عالم شہود محسوس ہوتا ہے، اور مجاز پردۂ نظر (व्यावहारिक सत्ता) مین کائنات جو لاتعداد اشیا پر مشتمل ہو بذات خود حقیقی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر نگاہ معرفت (पारमार्थिक सत्ता) میسر ہو تو کائنات کا وجود محض اعتباری ہو یعنی بجا ہو، درا صل ہونے کے محض اعتباری طور پر ہو چونکہ مترادف ہو دوسرا لفظ مین کائنات بجائے فی الحقیقت موجود ہونے کے صرف مجازاً موجود ہے، مو خرالذکر وجود کی صورت مین اس کو مایا (माया) کے لفظ سے تعبیر کرنا بغایت مناسب ہے، چنانچہ شنکر سنسار کو مایا ہی کے مترادف بتاتے ہین، اس کے معنی یہ ہرگز نہین ہین کہ سنسار محض دھوکا یا خواب ہے، مایا کے معنی دراصل یہ ہین کہ سنسار (کائنات) بذاتہٖ حقیقی نہین ہے، اس کا وجود اگرچہ بظاہر ظاہر مین ہے لیکن فی نفسہٖ وہ موجود نہین ہے[1] اس بات کو واضح کرنے کے لئے شنکر نے انسانی شعور کی تین حالتین تصور کی ہین[2]

(ا) جاگرتی (जाग्रत) یعنی جاگنے کی حالت،

(ب) سُپن (स्वप्न) خواب کی حالت جس مین بہت سے مظاہر دیکھنے مین آئین،

(ج) سُشُپتی (सुषुप्ति) گہری نیند کی حالت جس مین کوئی خواب محسوس نہ ہو یعنی بظاہر دیکھنے مین نہ آئین"

---

[1] رادھا کرشنان کی ترجمانی کے مطابق شنکر کے نزدیک دنیا کی مجازی حیثیت ضرور ہے (Phenomenal character) ہے اور محض دھوکا (Illusory) نہین ہے، دیکھئے انڈین فلاسفی (Indian Philosophy) جلد دوم ص ۵۸۱

[2] یہ تینون حالتین البتہ برہم کے گیان مین کسی طرح معاون نہین، اس لئے شنکر نے ایک چوتھی حالت جس کو انھون نے تریا اوستھا (तुरीया अवस्था) کے نام سے تعبیر کیا ہے یہی وہ حالت ہے جس کے ذریعہ برہم گیان ہوتا ہے،

مذکورہ حالتون مین سے ہر ایک حالت دوسری حالت کی تردید کرتی ہے' مثلاً جاگنے کی حالت مین جو کائنات حقیقی محسوس ہوتی ہے وہی خواب اور گہری نیند کی حالتون مین غیر حقیقی معلوم ہوتی ہے' اسی طرح خواب کی حالت مین جو مظاہر نظر آتے ہین، وہی حقیقی معلوم ہوتے ہین اور ان کے علاوہ عالم امکان کی ہر شے غیر موجود معلوم ہوتی ہے، اسی طرح گہری نیند کی حالت میں دوسری دونوں حالتون کی تردید ہوتی ہے،

شنکراچاریہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہین کہ عالم امکان کا بظاہر موجود ہونا ہماری ایک مخصوص شعوری حالت سے مختص ہے، اس حالت کے بدلنے یا اس کے ماورا جانے کے بعد عالم امکان کا فی نفسہٖ موجود نظر آنا قطعی محال ہے' اس سے ظاہر ہے کہ موجودات اعتباری طور پر موجود ہیں، مگر حقیقۃً موجود نہین، ان مندرجۂ ذیل مثالون سے اس کی وضاحت ہوگی، پہلی مثال اس رسّی کی ہے' جو سانپ معلوم ہوتی ہے[۵۱] اس رسی کے مقابلہ مین سانپ کا وجود اعتباری ہے، مگر اس کے معنی یہ ہرگز نہین ہین کہ سانپ کا وجود قطعی طور پر ہے ہی نہین، اس کے وجود کا قطعی طور سے انکار اس لئے غلط ہے کہ ظاہر بین نظر (व्यावहारिक दृष्टि ،) اس کو دیکھتی ہے، اور اس کے دیکھنے سے جو اثرات جسم پر مرتب ہوتے ہین، وہ سب وقوع پذیر ہوتے ہین، مثلاً کانپنا، بھاگنا، پسینہ پسینہ ہونا، وغیرہ وغیرہ اس لئے ایک مخصوص زاویۂ خیال سے اس کا وجود صرف "خواب وخیال نہین ہے"[۵۲] بلکہ کسی حد تک "حقیقی ہے، اگرچہ فی نفسہٖ حقیقی نہین، کیونکہ اگر نظر حقیقت بین[۵۳] سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سانپ نہین بلکہ رسّی ہے لیکن ایک دوسرے نظریۂ خیال سے سانپ کا وجود سرے سے مفقود ہے،

کیونکہ اگرچہ رسی سانپ کے طور پر ضرور دکھائی پڑ رہی ہے لیکن رسّی سانپ نہین ہے، اور نہ ہو سکتی ہے' اسلئے

---

۵۱) रज्जु तथा सर्प ۵۲) شنکر اور بدھ مت کے شونیئے واد (शून्यवाद ،) مکتب خیال کے لوگون مین یہی امتیاز ہے، شونیئے واد مت والے کسی بنیادی حقیقت (परम सत्ता) کو ماننے کے آمادہ نہین، اس کے برعکس شنکر ایک بنیادی حقیقت (परम सत्ता) کے پرزور حامی ہین'

۵۳) (परमार्थि सत्य ،

یہ سوال کہ سانپ ہے یا نہین قطعی غیر ضروری ہے، کیونکہ درحقیقت سانپ قطعی طور پر مفقود ہے، اور یہ صرف طرز نظر کا کرشمہ ہے، کہ سانپ نہ ہوتے ہوئے بھی سانپ نظر آرہا ہے، اس ضمن مین شنکر نے دو مثالین اور دی ہین، ایک مثال سورج کی کرنون کی ہے، جو دور سے پانی معلوم پڑتی ہین[۵۴]، دوسری مثال سیپ کی ہے، جو تھوڑے فاصلہ پر چاندی دکھائی دیتی ہے[۵۵]،

شنکر کے اس نتیجۂ فکر سے کہ موجودات سے نفسہٖ موجود نہین، رومی بالکل متفق ہین، اُن کے نزدیک بھی کائنات کا وجود اعتباری ہے[۵۶]،

برببند چشم صورت بکشاے چشم معنیٰ ۔ تا شرق وغرب بینی سلطان من گرفتہ

تا بذیرا گردی اے جان نور را ۔ تا بہ بینی بے حجب مستور را

چون حیات از حق بگیری اے روی ۔ پس غنی گردی زگل در دل روی

جسم دریا دیگر است وکف دگر ۔ کف بہل وز دیدۂ دریا نگر

لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر موجودات کا وجود اس درجۂ اعتبار مین کیا حیثیت رکھتا ہے' اس سوال کے جواب مین بھی مولانا شنکراچاریہ کے خیال سے بڑی حد تک متفق ہین، اُن کی بھی یہ رائے ہے کہ موجودات موجود ہوتے ہوئے بھی قطعی کالعدم[۵۷] ہے، اور اس کا وجود بیک وقت موجود بھی ہے، اور غیر موجود بھی

آنکہ گوید جملہ حق است احمقی است

وآنکہ گوید جملہ باطل او شقی است

---

۵۴) मारीची में जल ۵۵) शुक्ति में रजत ۵۶) یہ لفظ اپنی جامعیت کی وجہ سے کئی مختلف نظریات پر محیط ہونے کے لائق ہے ۵۷) شنکر نے وجود (सत्ता) کو تین قسم کا مانا ہے، جو تین قسم کی شعوری حالتون سے متعلق ہین، (پرم ارتھک ستا (पारमार्थिक सत्ता -) یعنی جو فی نفسہٖ موجود ہو، اور ہمیشہ ہو، دوم (सत्ता व्यावहारिक) ویاوہارک ستا (प्रातिभासिक सत्ता) پرتی بھاسک ستا اشیاء کے ظہور کی بنا پر اُن کا وجود

موجودات کو بیک وقت موجود اور غیر موجود بتانے مین کوئی اشکال یا تضاد اس لئے واقع نہین ہوتا کہ جس معنی مین اس کو موجود بتایا جا رہا ہے ، وہ اس معنی سے قطعی طور پر مختلف ہے جس معنی مین اس کو غیر موجود کہا جاتا ہے ، اس ضمن مین موجود کا لفظ صرف نمودار ہونے کے مترادف ہے ، جو "درحقیقت موجود" ہونے سے قطعی علٰحدہ ہے ، چنانچہ جو کچھ نظر آتا ہے ، وہ بطور مجاز کے ہے لیکن مرتبۂ وجود مین اس اعتباری وجود کا بھی ایک مقام ہے ، اس لئے اس کا سرے سے انکار نہین کیا جا سکتا ، لیکن غایت نظر مین اس اعتباری وجود کی صرف اسی قدر اہمیت ہے کہ وہ اپنے وجود کو بے اصل بتا کر حقیقی وجود کی طرف متوجہ کرتا ہے ، قرآن کریم کی بعض آیات بھی اس کی جانب اشارہ کرتی ہین ، مثلاً

وما الحیٰوۃ الدّنیا الا لعبٌ ولھوٌ و	اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہین ، بجز لہو
للدّار الاٰخرۃ خیرٌ للّذین یتّقون ،	لعب کے ، اور آخرت متقیون کے لئے ہے (۶ : ۳۲)
انّما ھٰذہ الحیٰوۃ الدّنیا متاعٌ و	اور یہ دنیا کی زندگی محض چند روزہ ہے اور
انّ الاٰخرۃ ھی دار القرار (۴۰ : ۴۲)	ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے ،
وما الحیٰوۃ الدّنیا الّا متاع	اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہین صرف دھوکہ
الغرورِ ،	کا سودا ہے ، (۳ : ۱۸۳)

رومی نے اصحابِ کہف کا ذکر کرتے ہوئے شنکر[ا] کی طرح اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کائنات

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۳) جیسے خواب مین جو مظاہر ہوتے ہین ، وہ اپنی جگہ پر اس خواب کی حالت مین فی نفسہٖ موجود ہین ، ثانیاً (सत्ता) دنیوی یا عرف ستّا یعنی ضروریات معاشرہ کے تحت اس قسم کی وجودی حیثیت کو مانے بغیر چارہ نہین [۱] رومی کے نزدیک اصحابِ کہف وہی لوگ ہین جن کے لئے شنکر اچاریہ کے الفاظ مین وجود کائنات محض پراتی بھاسک ستا (प्रातिभासिक सत्ता) کا حامل ہے ، اور جن لوگون کو یہ ادراک میسر ہو گیا ہو وہ لوگ دنیا سے قطعی غیر متعلق ہین ، بقول مولینا روم

ع خفتہ از احوالِ دنیا روز و شب

کا وجود ایک مخصوص انسانی شعوری حالت سے متعلق ہے ، اور اس شعوری حالت کے ہونے ہی پر کائنات کے وجود کا دار و مدار ہے لیکن غایت حق کے ادراک کے لئے اس کی تردید ضروری ہے ، مولانا فرماتے ہین ،

تا ازین طوفانِ بیداری و ہوش ۔۔۔ وا رہیدی این ضمیر و چشم و گوش

اے بسا اصحابِ کہف اندر جہان ۔۔۔ پہلو تو پیش تو ہست این زمان

ہر کہ بیدار است او در خواب تر ۔۔۔ ہست بیداریش از خوابش بتر

اسی طرح "سببِ جراتِ ساحرانِ فرعون بر قطع دست"[۲] کے ضمن مین لکھتے ہین ، کہ کائنات کے وجود کا ادراک ایک خواب کی سی حالت ہے ، اور خواب کی حالت مین جو مظاہر نظر آتے ہین ، وہی حقیقی معلوم پڑتے ہین

این جہان خوابست اندر ظن مایست ۔۔۔ گر رود در خواب دستی باک نیست

این جہان را کہ بصورت قائم است ۔۔۔ گفت پیغمبر کہ حلم نائم است

اسی لئے جو لوگ موجودات کو نفسہٖ حقیقی سمجھے بیٹھے ہین ، وہ گویا کہ خواب کی حالت مین ہین ،

ہر کہ بیدار است او در خواب تر ۔۔۔ ہست بیداریش از خوابش بتر

اور جس طرح خواب سے جاگنے پر خواب کے تمام مظاہر اور مناظر وہم و خیال ثابت ہوتے ہین ، اسی طرح بیداری کی حالت ختم ہونے پر[۳] جس کو مولانا روم "خواب حسی" کے نام سے تعبیر کرتے ہین ، حقائق کا صحیح ادراک اس طرح

[۲] فرعون کے ساحر موسیٰ علیہ السلام کے طفیل مین انکشاف ذات میسر ہو جانے کے سبب سے اپنے جسم سے قطعی غیر متعلق ہو گئے ، فرعون نے کہا کہ

لاُقطّعنّ ایدیکم وارجلکم من خلافٍ	مین تمھارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری
ثمّ لاُصلّبنّکم اجمعین ۔	طرف کے پاؤن کاٹون گا ، اور تم سب کو
	سولی پر لٹکاؤن گا ،

چونکہ ان کو اپنی ذات (آتما) کا عرفان میسر ہو چکا تھا اس لئے انھون نے اس کا جواب دیا کہ

حاصل ہوتا ہے کہ کائنات اگرچہ بظاہر تھی لیکن درحقیقت سرے سے مفقود تھی، اور چونکہ اس حالت مین کائنات کے وجود کی مکمل تردید ہوتی ہے، اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عارف جو دنیا سے غیر متعلق ہونے کے سبب سے ان حقائق کا شاہد ہے، دنیوی اعتبار سے عالمِ خواب مین ہے، اصحابِ کہف جن کا قرآن کریم مین ذکر ہے، اسی حالت مین مستغرق تھے، ان کے اور اس قبیل کے دوسرے اصحاب کے متعلق مولانا فرماتے ہین،

خفتہ از احوالِ دنیا روز و شب | چون قلم در پنجۂ تقلیبِ رب
اے بسا اصحابِ کہف اندر جہان | پہلوے تو پیشِ تو ہست این زمان
شمۂ زین حال عارف وا نمود | خلق را ہم خوابِ حسی در ربود
سایۂ یزدان بود مردِ خدا | مردۂ این عالم و زندہ خدا

لیکن چونکہ عارف باللہ اصحابِ ذاتِ حق کے علاوہ مشاہدۂ غیر سے قطعی غیر متعلق ہوتے ہین، اس لئے یہ کہنا بھی درست ہی کہ وہ غیر حق کو حق نہ سمجھنے کی بنا پر کسی وقت بھی خواب کی حالت مین اگرمستِ خواب نہین ہوتے، مولانا کا ارشاد ہے،

حالِ عارف این بود بے خواب ہم
گفت ایزد ہم رقود زین مرم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۵)

اِنّا اِلیٰ رَبِّنا مُنْقَلِبُوْنَ، | ہم مرکر اپنے مالک ہی کے پاس جائین گے،

ملک ختم ہونے کے معنی یہ نہین ہین، کہ انسان بے شعور ہو جائے، بلکہ مروجہ شعور کے بجائے جس کی بنا پر موجودات فی نفسہ معلوم پڑتی ہی، ایک ایسا احساس رونما ہوتا ہی جس کی بنا پر بجائے کائنات کے ذاتِ حق کا انکشاف ہوتا ہی، اس ادراک کے باوجود بھی واصل حق عارف بقول شنکر لوگون کی بھلائی کے لئے (लोक संग्रह) کام کرتا ہے، سلہ گیتا مین بھی اس مضمون کو بالکل اسی طرح پیش کیا گیا ہے :-

اس لئے کائنات (سنسار) کے غیر حقیقی ہونے کا دعویٰ رومی کے یہان تقریباً اسی قدر قوی ہے جس قدر کہ شنکر کے یہان اور بڑی حد تک انہی مثالون پر مبنی ہے جو شنکر کے نتائج فکر کا سنگِ بنیاد ہین، یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ دونون اصحاب اپنے اپنے معاشرتی اور مذہبی پس منظر کے اختلاف کے باوجود اس کے معترف ہین کہ ماہیت حقیقت کے انکشاف مین اشارات کنایات اور تماثیل کے سہارے بغیر چارہ نہین، اور یہ دونون جن مثالون کے ذریعہ اپنے اپنے طور پر حقائق کی نقاب کشائی کی سعی کرتے ہین، وہ بھی ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہین،

(باقی آیندہ)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۶)

या निशा सर्व भूतानां | جو سب کے لئے رات ہے وہ عارف کے لئے دن
जागर्ति संयमी यस्यां जाग्रति | ہے، جو سب کے لئے دن ہے وہ نظر مین عارف
भूतानि सा निशा पश्यतो मुनेः | کے لئے رات ہے (گیتا، دھیائے دوسرا شلوک ۶۹)

شنکر اچاریہ اس کی تفسیر مین اس رات کی نوعیت اس طرح واضح کرتے ہین،

यथा नक्तं चरादीनाम् अहः | جیسے اُلّو وغیرہ رجنی چرون (ظلمت پرستون)
एव सद् अन्धिशं निशा भवति | کے لئے دوسرون کا دن بھی رات ہوتا ہے،
तद्वत नक्तं चरस्थानीयानाम् | اسی طرح نشا چرون (شب پرست انسانون)
अज्ञानां सर्व भूतानां निशा | کے لئے جن مین عرفانِ حقیقت کا حوصلہ نہین
इव निशा परमार्थ तत्वम् | ہے، پرمارتھ تت (غایت حقیقت) بھی بطور
अगोचरत्वाद अतद्बुद्धिनाम् | اندھیری رات کے ہے،

(گیتا بھاشیہ ص ۲،)

تاریخ بدایونی پر ایک اجمالی نگاہ

از

(ڈاکٹر قاضی محمد ابراہیم صاحب لکچرار اسمٰعیل کالج بمبئی)

(۵)

اکبر کے حکم سے جب انھون نے تاریخ کشمیر کا ہندی سے فارسی مین ترجمہ کیا تو اس وقت ان کو خیال ہوا کہ ابتدا سے اس وقت تک دہلی کے تخت پر جن مسلمانون خاندانون نے حکومت کی ہے، اُن کی تاریخ لکھین، چنانچہ لکھتے ہین[1]:-

"وچون.........عبدالقادر بن ملوک شاہ بداؤنی .... در شہور ۹۹۹ھ رجب

فرمان..........حضرت خلیفۃ الزمانی ظل الٰہی اکبر شاہی از انتخاب تاریخ کشمیر کہ

بحکم دلپذیر آن شاہنشاہ جہان گیر گردون سریری از فضلاے بے نظیر ہند از زبان ہندی بفارسی

ترجمہ کردہ بود، فراغ یافت .... بارہا در خاطر خطور و عبور می کرد کہ مجملی

از احوال پادشاہان دار الملک دہلی ع

جملہ عالم وتابعان سواد اعظم است

از زمان ابتداے اسلام تا زمان تحریر بطریق اختصار نویسد"

منتخب التواریخ سے قبل جتنی بھی تاریخین لکھی گئین، ان سے ملا صاحب مطمئن نہین تھے، جس کا اظہار انھون نے

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۱۰

تاریخ کے خاتمہ مین کیا ہی کہ ان مورخون نے اپنی تاریخ مین حقیقت کو نہین پیش کیا، بلکہ انعام وصلہ کی طمع مین یا خوشامد کی وجہ سے انھون نے اصلی باتون کو نہین لکھا، بلکہ جھوٹ اور باطل تحریر کیا ہے، اسی خیال نے انھین اس پر آمادہ کیا کہ وہ ایک ایسی تاریخ لکھین، جو صحیح واقعات پر مشتمل ہو تاکہ آیندہ نسلیں صحیح اور غلط کا امتیاز کر سکین، چنانچہ انھون نے چشم دید واقعات اور حالات کو جن کا تون لکھا وہ لکھتے ہین کہ دوسرے مورخون کی طرح وہ نہ کسی انعام وصلہ کے آرزومند ہین، اور نہ اپنی تاریخ کو کسی کے نام معنون کرکے صلہ کے خواہشمند ہین، وہ اس کا صلہ صرف خدا سے چاہتے ہین، چنانچہ لکھتے ہین[1]:-

"چہ باعث اصل بر جمع این خزف ریزہ آن بود کہ چون تغییر احکام واوضاع کہ درین دلا سمت وقوع یافتہ و درین مدت ہزار سال نشان نمی دہند از اہل املا وانشا آنکہ قدرت وقائع نویسی داشتہ و دو کلمۂ مربوط می توانند نوشت یا بجہت خوشامد اہل زمان یا از ممر ترس ایشان یا بتقریب عدم اطلاع مقالات .... واغراض فاسدۂ دیگر حق پوشی کردہ و دین را بدنیا و ہدی را بضلالت فروختہ باطل را بصورت حق جلوہ دادہ .... و یقین است کہ اہل قرون آیندہ کہ این خرافات باطل و تطویلات لاطائل را خواہند دید .... متوقف و متنفر خواہند ماند بنا بران بجہت کشف غطا این کس را .... ضرورت شد کہ جزئیات و ضروریات را کہ ناشی از عیان و یقین نہ گمان و تخمین را در قلم آرد"

ملا صاحب نے تاریخ کی پہلی دو جلدین ماہ صفر ۱۰۰۴ھ مین مکمل کین،

"این بود سوانح بعضے از اجزاے زمان کہ بتاریخ صفر .... از سنہ اربع والف (۱۰۰۴) ہجریہ بر سبیل اجمال مرقوم قلم شکستہ این کسیر البال گردید"[2]

منتخب التواریخ کے پہلے حصہ مین ملا صاحب نے لکھا ہے کہ اگر عمر نے وفا کی تو وہ اِن شہر و بلکا حال

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۹۲، ۳۹۱ [2] ایضاً حصہ دوم ص ۴۰۷

لکیمن کے جنکو انھون نے دیکھا ہو یا جن کے متعلق سنا ہے[1]،

"اگر عمر بے وفائی کم بقا روزی چند مہلت داد و ایام بر خلاف عادت اصلی خویش بد مددی نبیا نکرد و طالع مساعدت نمود ذکر شعرائے سابق و لاحق ہند خصوصاً بعضے را کہ در عصر خویش شنیدہ یا دیدہ و دریافتہ بندی از اشعار ایشان در ضمن احوال جدا خواہد نوشت و الا این قدر ہم برائے یادگار کافیست: قطعہ

گر بمانیم زندہ بر دوزیم	جامۂ کز فراق چاک شدہ
ور بمیریم عذر ما بپذیر	اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

اس ارادہ کو انھون نے تاریخ کی تیسری جلد مین پورا کیا ہے، شعراء کے علاوہ انھون نے اکبری دور کے حکیمون اور علماء و فضلاء کا ذکر بھی نہایت تفصیل سے کیا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اس حصہ کو انھون نے ۲۳ جمادی الثانی ۱۰۰۴ھ جمعہ کو مکمل کیا،

"بنا بر آن بتاریخ روز جمعہ بست و سوم از شہر جمادی الثانی ۱۰۰۴ھ طناب اطناب را کوتاہ ساختہ برین قدر اکتفا نمود"[5]

ذیل کے قطعہ سے تکمیل کی تاریخ نکالی ہے

شکر للہ کہ باتمام رسید	منتخب از کرم ربانی
سال تاریخ ز دل جستم گفت	انتخابے کہ ندارد ثانی

پہلے ملا صاحب کا خیال تھا کہ وہ کشمیر، بنگال، گجرات اور سندھ کی تاریخ لکھ کر اس تاریخ کے ساتھ ملحق کر دین، مگر پھر اس خیال سے کہ ان مین باہم مناسبت نہین ہے، یہ خیال ترک کر دیا، چنانچہ لکھتے ہین،

"و در کوز خاطر فاتر ساطر و مکنون ضمیر کثیر چنین بود کہ ....

---

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۴۹۲، [5] ایضاً حصہ سوم ص ۳۵۰،

کہ ملحق تاریخ کشمیر را با تواریخ سلاطین گجرات و بنگالہ و سند و غرائب ہند جمع ساز دو در یک شیرازہ کشد اما چون آن قماش باین قماش نسبتے نداشت چہ پیوند حریر با حریر است،"

ملا صاحب کی اس تاریخ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین کہین خوشامد کا پہلو نہین ہے، اس کے برعکس اکبر نامہ کا انداز جو اسی دور کی تصنیف ہے، خوش آمدانہ ہے، اور ابو الفضل اکبر کا ذکر بڑے خوش آمدانہ پیرایہ مین کرتا ہے، اور اس کی تعریف و توصیف کے پل باندھ دیتا ہے، اور ملا صاحب نے سیدھے سیدھے طریقہ سے اکبر اور اس کے درباریون کے حالات لکھے ہین، یہ دونون کتابین یعنی اکبر نامہ اور منتخب التواریخ گو ایک ہی دور مین لکھی گئی ہین لیکن دونون مین بڑا فرق ہے، اسی دور کی ایک اور تاریخ طبقاتِ اکبری مین اس کے مصنف خواجہ نظام الدین احمد نے درمیانی راستہ اختیار کیا ہے، ملا صاحب نے اپنی تاریخ مین بڑی آزادی سے اظہار خیال کیا ہے، اور اکبر کی برائیان برملا بیان کی ہین، حتیٰ کہ خود اپنے حالات مین بھی کوئی ملمع نہین کیا ہے، جس کی ایک مثال اوپر گذر چکی ہے،

ملا صاحب نے تاریخ مین صاف گوئی پر بڑا زور دیا ہے اور لکھتے ہین کہ اگر اسمین قلم سے کوئی غلطی یا لغزش ہو جائے تو خدا معاف کرے،

"چون وجہ ہمت بر راست نویسی است اگر بے قصد سہوی و لغوی بر زبان قلم و قلم زبان گذرد امید کہ حق سبحانہ تعالیٰ آنرا بکرم عمیم قدیم خود در گذار دو بہ بخشد، بیت:

بہ بدگفتن زبان من مگردان	زبانِ من زیانِ من مگردان

اس مین شک نہین کہ ایک مورخ کو حق گوئی کو اپنا شعار بنانا چاہئے، اور جہان تک راست گوئی اور حق پرستی کا تعلق ہے، ملا صاحب نے اس کا پورا حق ادا کیا ہے، لیکن تعصب کی وجہ سے انھون نے اکبر ہی کو نہین بلکہ ابو الفضل، فیضی، مخدوم الملک، شیخ عبد النبی صدر صدور، اور بیربر وغیرہ سبھی پر فقرے چست کئے

---

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ،،

اور ان لوگون کے ذکر مین وہ صحیح مورخ کے راستہ سے ہٹ گئے ہین، جو شخص بھی ان کے مسلک سے الگ ہوتا تھا، اس کو نہین چھوڑتے تھے، چنانچہ جابجا ہندوؤن کے لئے سخت الفاظ استعمال کئے ہین، بیربر کو سخت سست کہا ہی، فیضی اور ابو الفضل پر کفر کا فتوی صادر کیا ہے، اور اکبر کے متعلق تو صاف صاف لکھدیا ہے کہ وہ کافر ہوگیا ہے،

ملا صاحب نے بڑی صاف اور سادہ زبان مین تاریخ لکھی ہے، اور اس کی عبارت مین بڑی سلاست و روانی ہے، اس کے مقابلہ مین اکبرنامہ کی زبان بڑی دقیق ہے، جس کو ہر شخص نہین سمجھ سکتا، ملا صاحب نے جابجا دو ہ قصون اور واقعات سے بھی اپنی تاریخ کو دلچسپ بنایا ہے، تاریخ کے علاوہ ملا صاحب نے جو واقعات لکھے ہین ان کے بارہ مین ڈبلیو ایچ لو جنھون نے ملا صاحب کی تاریخ کا انگریزی مین ترجمہ کیا ہے[۱] لکھتے ہیں کہ دوسرے مورخون کی کتابون مین ہمین اکبر کی تاریخ تو مل جاتی ہے لیکن اس زمانہ کے دوسرے واقعات کا پتہ نہیں چلتا مگر یہ تشنگی ملا صاحب کی تاریخ دور کرتی ہے، چنانچہ لکھتے ہین،

[۲] For, while from other authors we can learn the bare facts of history, it is to Badaoni that we look for those little pieces of gossip, which give us an in sight in to the manners of the Times. It is this fact that renders this work [۳] so extremely interesting

---

[۱] لو نے تاریخ کے دوسرے حصہ کا ترجمہ کیا ہے [۲] منتخب التواریخ حصہ دوم، ترجمہ ص ۱۱ فٹ نوٹ نمبر ۲ [۳] منتخب التواریخ،

ملا صاحب نے اپنی تاریخ مین جابجا موقع و محل سے عربی محاورات آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی بھی درج کی ہین جس سے اُن کی تحریر بہت دلچسپ بن گئی ہے، اشعار سے بھی لطف تحریر کو دوبالا کیا ہے

تاریخ کے شروع مین جابجا اختصار کو کام مین لانے کا عزم ظاہر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہین،

"بارہا در خاطر خطور و عبور می کرد کہ مجملی از احوال پادشاہان دار الملک دہلی نیز کہ .... از زمان ابتداے اسلام تا زمان تحریر بطریق اختصار نویسد تا سفینہ باشد مشتمل بر نبذے از احوال ہر بادشاہے بطریق اجمال و تذکرہ بود" (ج ۲ ص ۵)

ایک اور جگہ لکھتے ہین،

"......... میخواہد کہ لعد ازین جزئیات و تائع را اہمال گذاشتہ و کلیات حوادث پرداختہ جواد خامہ را عنان گسستہ یک اسپہ در سواد این میدان دواندہ سوانح این چہل سال را......... مجملا تمام سازد" (ایضاً ص ۱۸)

مگر اس کی پابندی نہین کر سکے، اور وہ دوران تحریر مین اتنے بہ جاتے ہین کہ اختصار کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، مگر جب اس کا احساس ہوتا ہے، تو اس پر اظہار افسوس بھی کرتے ہین،

اس زمانہ مین ہندوستان مین تاریخ گوئی عام ہو چکی تھی، اس لئے ملا صاحب نے بھی اپنی کتاب مین بہت سے تاریخی قطعات لکھے ہین، خصوصاً عمارتون کی تاریخین مثلاً مسجد کی تاریخ مین

(۱) بیت معمور آمدہ از آسمان (ص ۱۰۹)

(۲) ثانی المسجد الحرام آمد (")

جب آگرہ کے قلعہ کا دروازہ بن کر مکمل ہوا تو اس کا نام "دروازہ ہتیا پول" رکھا گیا، شیری نامی شاعر نے ذیل کے شعر سے اسکی تاریخ نکالی،

کلک قیصری پئ تاریخ نوشت — بے مثل آمدہ دروازۂ فیل، (ص ۱۰۸)

بابر کی وفات اور ہمایون کی تخت نشینی کے سلسلہ مین ملا صاحب نے ایک قطعہ درج کیا ہے، جس سے ان دونون واقعات کی تاریخ نکلتی ہے[1]،

شہ ہمایون شہ نیک بخت	کہ خیر الملوک است اندر سلوک
چو بر مسند پادشاہی نشست	شدش سال تاریخ خیر الملوک

ملا صاحب کی کتاب مین بعض اغلاط بھی ہین، چنانچہ ۹۹۲ھ کے واقعات میں وہ لکھتے ہین کہ انھون نے اسی سال اکبر کے حکم سے راماین کا ترجمہ شروع کیا،

"ودرین ایام (۹۹۲ھ) بفقیر را ترجمہ کتاب راماین فرمودند"[2]

اسی کے متعلق دوسری جگہ لکھتے ہین .... کہ ۹۹۹ھ مین چار سال کے عرصہ مین اس ترجمہ کو مکمل کیا،

اس لحاظ سے انھون نے ۹۹۵ھ مین شروع کیا ہوگا، لیکن اوپر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ۹۹۲ھ مین ترجمہ شروع کیا تھا،

"ودر ماہ جمادی الاول سنہ سبع وتسعین وتسعمایۃ (۹۹۷ھ) ترجمہ کتاب راماین را درعرض چار سال نوشتہ"[3]

اُن کی پیدایش کے بارہ مین بھی اُن کے بیان مین تضاد ہے جس سے اُن کی تاریخ ولادت کے معین کرنے مین دقت پیش آتی ہے، ایک جگہ لکھتے ہین کہ وہ ۹۴۷ھ مین شیر شاہ سوری کے عہد حکومت مین پیدا ہوئے، اور ایسے منصف مزاج بادشاہ کے دور مین پیدا ہونے پر فخر کرتے ہین،[4]

"وبحمد اللہ کہ در زمان این چنین ملکی .... تولد صاحب این منتخب در ہفدہم شہر ربیع الثانی در ۹۴۷ھ واقع شد"

لیکن ایک دوسری تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سن ولادت ۹۴۹ھ ہے، چنانچہ عدلی کے ذکر

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۴۴۳ [2] ایضاً حصہ دوم ص ۳۳۶ [3] ایضاً ص ۳۶۶، [4] ایضاً ص ۳۹۳،

مین لکھتے ہین، ۹۶۱ھ مین جب میان یحییٰ نے عدلی کی فوج کو شکست دی، اس وقت اُن کی عمر ۱۲ سال کی تھی، اس لحاظ سے وہ ۹۴۹ھ مین پیدا ہوئے ہونگے، لکھتے ہین[1]:-

"میان یحییٰ در ایام .... در ہنصد وشصت ویک (۹۶۱ھ) .... امرائے عدلی را .... شکست دادہ .... وجامع این منتخب کہ دران ایام ہمراہ والد مرحوم در سن دوازدہ سالگی تحصیل علوم در سنبل رفتہ بود"، ....."

اُن کی اسی تحریر کی بنا پر بعض صاحب قلم ان کا سن ولادت ۹۵۷ھ قرار دیتے ہین، اور بعض ۹۴۹ھ بتاتے ہین، مصنف دربار اکبری نے ۹۴۷ھ لکھا ہے، اور الیٹ دونون سال لکھتے ہین[2]،

ہمایون کے حالات مین بھی ملا صاحب نے بعض غلطیان کی ہین، مثلاً لکھتے ہین کہ ہمایون جب شکست کھا کر دریا مین کود پڑا اس وقت انگہ خان عرف خان اعظم نے اس کی جان بچائی، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ

"انگہ خانست کہ وقت شکست .... در زمانے کہ ..... ہمایون بادشاہ نہنگ وار در دریاے گنگ افتادہ .... دستگیری نمودہ ازان ورطہ بلا...... ساحل امن وسلامت رسانید"

حالانکہ یہ مسلّم ہے کہ ہمایون کی جان نظام نامی بہشتی نے بچائی تھی، فرشتہ اپنی تاریخ مین لکھتا ہے کہ نظام ہی نے ہمایون کی جان بچائی[3]،

میر حیدر فیضی کاشانی کے بارہ مین لکھتے ہین، کہ جب وہ اپنے وطن واپس جا رہا تھا، اور ہرمز سے گذر کر کیچ اور مکران کے نزدیک پہنچ چکا تھا، کہ جہاز ڈوب گیا،

"وبکشتی نشستہ متوجہ وطن گردید، چون از ہرمز گذشت نزدیک بہ کیچ ومکران رسید کشتی او دچار تباہی شد"[4]

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۴۲۵ [2] ایلیٹ ص ۴۷۷، ۴۹۱ اور ۴۹۹، [3] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۲۳۲،

سر ولزلی ہیگ کے بقول جنھون نے ملا صاحب کی تاریخ کی تیسری جلد کا ترجمہ کیا ہے اس واقعہ کے بیان مین بھی ملا صاحب نے غلطی کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ کیچ اور مکران سے گذرنے کے بعد ہرمز آتا ہے اور ملا صاحب لکھتے ہین کہ ہرمز سے گذر کر جب کشتی کیچ اور مکران پہنچی تب یہ حادثہ ظہور پذیر ہوا، سر ولزلی کی عبارت یہ ہے،

"Badoni's geography is here at fault Rafi'i could not have reached hurmuz .... until he had passed here and The coast of makran. Kij is an inland town of makran[1]"

غزالی مشہدی کے متعلق ملا صاحب لکھتے ہین کہ وہ ابتدا مین خان زمان کے پاس رہا، پھر عرصہ کے بعد اکبر کی خدمت مین داخل ہوا[2] لیکن بقول صاحب طبقات مشہدی خان زمان کے قتل کے بعد اکبر کی خدمت مین داخل ہوا، صاحب طبقات لکھتے ہین،

"مشہدی چند سال در پیش خان زمان بود، و چون خان زمان بقتل رسید در خدمت حضرت خلیفہ الٰہی می گذرانید"[3]

حکیم مصری کی موت کے ذکر مین لکھتے ہین کہ ان کا انتقال برہان پور مین ہوا، اور اسی کے قریب وہ دفن ہوئے، یہ معلوم ہے کہ ملا صاحب کی تاریخ ۱۰۰۴ھ مین مکمل ہوئی جس کے یہ معنی ہین کہ حکیم مصری نے ۱۰۰۴ھ مین یا اس کے قبل انتقال کیا، مگر اکبر نامہ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکیم مصری ابو الفضل کے دوستون مین تھا، اور ابو الفضل اُن کے انتقال کے وقت اُن کے پاس تھا، اور اُن کی وفات ۱۰۰۹ھ مین ہوئی[4]

---

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ترجمہ ص ۳۰۳ نوٹ نمبر ۱ [2] ایضاً ص ۱۷۰ [3] طبقات اکبری جلد دوم ص ۴۰۰ [4] اکبر نامہ

ملا صاحب نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تاریخ کے مکمل کرنے مین انھین گوناگون مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بڑی مشکلون سے انھون نے اس کتاب کو مکمل کیا، چنانچہ لکھتے ہین،[1]

"الحمد للہ والمنۃ کہ بعد از اندوودن دود چراغ و سوختن دماغ ازین عجالہ فراغ حاصل آمد و چہ قدر کشاکش از دست زمانہ مشوش کشید کہ این نقد وقت واین گوہر بے بہا بدست افتاد"

ملا صاحب نے اپنی کتاب مین اکبر اور اس کے امراء پر جیسی بے محابا تنقیدین کی ہین، اُن سے اُن کو اندیشہ تھا کہ اس سے کوئی فتنہ نہ پیدا ہو جائے، اس لئے شروع مین انھون نے اس کو اس قسم کے لوگون سے مخفی رکھا تھا، لکھتے ہین،[2]

"انشاء اللہ از خیانت بے صیانتی بے دیانتی ناحفاظی چند محفوظ ماند و بچنین از نہب و غصب طاران البدر و ز گار مصئون و پیوستہ در کنف عصمت الٰہی مختفی بودہ پیرایۂ قبول یا بد و رخمی از چشم احوالان مختلف احوال بر آن نرسد و دست قاصران از دامن جمال این پیکر خیال کوتاہ گردد، و ہر کہ نہ محرم آن باشد محروم شود،"

پھر انھون نے اس کو گوہر شناسون اور اُس کے قدر دانون کے سپرد کر دیا، چنانچہ لکھتے ہین :-

خدائے جہان را ہزاران سپاس ✻ کہ گوہر سپردم بگوہر شناس[3]

اس لئے ملا صاحب کی وفات کے بعد بھی اُن کی تاریخ ایک عرصہ تک پوشیدہ و مخفی رہی، اور بقول صاحب مرآۃ عالم جہانگیر کے زمانہ مین عوام کے سامنے آئی، چونکہ اس مین اکبر اور اس کے درباریون کی بڑی مذمت ہے، اس لئے جہانگیر کو ناگوار گذرا، اُس نے ملا صاحب کے لڑکون سے اس کے متعلق دریافت کیا، اُن کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا صاحب نے اپنے لڑکون تک کو اس کا علم نہ ہونے دیا تھا، چنانچہ انھون نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، جہانگیر نے اس شرط پر انھین رہا کیا کہ اگر اس تاریخ کا کوئی نسخہ اُس کے پاس ملے گا، تو وہ سخت سزا

---

[1] منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۹۰ [2] ایضاً ص ۳۹۰ [3] ایضاً

کے مستحق ہون گے[1] یہ یقینی ہے کہ ملا صاحب کی تاریخ ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء تک جو جہانگیر کی بادشاہت کا دسوان سال تھا، پوشیدہ رہی، کیونکہ مآثر رحیمی جو اسی دور مین لکھی گئی ہے اسکا مصنف اس کی شکایت کرتا ہے کہ اکبرنامہ اور طبقات اکبری کے علاوہ کوئی دوسری تاریخ موجود نہین ہے،

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملا صاحب کی تاریخ اکیس سال تک عالم پوشیدگی مین رہی کیونکہ وہ ۱۰۰۴ھ مین مکمل ہوئی تھی، اور مآثر رحیمی ۱۰۲۵ھ مین لکھی گئی،

ملا صاحب کی تاریخ کا انگریزی ترجمہ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی نے شائع کیا، یہ ترجمہ جارج رینکنگ ڈوفا اور سر ولزلی ہیگ کے قلم کا مرہون منت ہے، جارج رینکنگ نے تاریخ کے پہلے حصہ کا ترجمہ کیا ہے، رینکنگ انڈین میڈیکل سروس مین سرجن اور لفٹنٹ کرنل کے عہدہ پر فائز تھا، اور کلکتہ یونیورسٹی کا فیلو بھی تھا اس کا ترجمہ کلکتہ کے بپٹسٹ مشن کے مطبع مین چھپ کر ۱۸۹۸ء مین شائع ہوا، ڈبلیو ایچ لو نے دوسرے حصہ کا ترجمہ کیا ہے، وہ کیمبرج کے کرائسٹ کالج مین عبرانی کا استاد تھا، جہان مین ترجمہ کے مقدمہ مین لکھتا ہے کہ دوسرے حصہ کی مانگ زیادہ ہے، کیونکہ وہ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیون کے نصاب مین داخل ہے، یہ ترجمہ بھی ۱۹۲۴ء مین مذکورہ بالا مطبع مین چھپ کر شائع ہوا، تیسرے حصہ کا ترجمہ سر ولزلی ہیگ نے کیا، جو ڈبلن یونیورسٹی مین عربی فارسی اور ہندوستانی زبان کا پروفیسر تھا، یہ ترجمہ بھی مذکورۂ بالا مطبع سے ۱۹۲۵ء مین شائع ہوا،

ترجمہ کے علاوہ بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی نے اصل فارسی تاریخ بھی شائع کی، اور مولوی احمد علی صاحب منشی احمد علی صاحب اور کپتان ولیم ناسوس کی کوششون سے یہ کام انجام پایا، مولوی احمد علی صاحب نے پہلی اور دوسری جلد کو اور منشی احمد علی صاحب اور کپتان ولیم ناسوس صاحب نے دوسرے حصہ کو اڈٹ کیا، پہلا حصہ کلکتہ کے کالج پریس مین باہتمام کبیر الدین احمد صاحب ۱۸۶۸ء مین شائع ہوا، دوسرا

[1] مرآت عالم،

حصہ بھی ۱۸۶۴ء مین اسی پریس مین، اور تیسرا ۱۸۶۹ء مین چھپ کر شائع ہوا،

ملا صاحب کی تصنیفات مین سے بعض کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ انھون نے معجم البلدان کے دس جزو کا عربی سے فارسی مین ترجمہ کیا، ان کی ایک تصنیف بحر الاسمار ہے، جس مین ہندوستان کے قصے درج ہین، ایک کتاب نجات الرشید بھی ان کی تصنیف ہے، جامع رشیدی عربی مین ایک ضخیم تاریخ لکھی جس مین تمام پیغمبرون اور خلفاء کے حالات درج ہین، ملا صاحب نے اکبر کے حکم سے اس کا ترجمہ بھی کیا تھا، ایک اور کتاب، کتاب الاحادیث لکھی، اور اس کو اکبر کی خدمت مین پیش کیا،

ملا صاحب نے ۱۰۰۴ھ مین اپنے وطن بدایون مین انتقال کیا، اور وہین دفن ہوئے، اس وقت انکی عمر ۵۷ سال تھی، بقول خوشگو ملا صاحب کو عطاپور مین جو بدایون کے جوار مین ہے، "باغ انبہ" مین سپرد خاک کیا گیا، یہ مضمون ملا صاحب کے کمال کے متعلق صاحب دربار اکبری کی اس تحریر پر ختم کیا جاتا ہے،

ایسے صاحب کمال اور کمال آفرین لوگون کا مرنا افسوس کا مقام ہے، انھون نے اپنے معاصرون کا غم کس کس خوبصورتی سے کیا، کوئی نہ تھا کہ ان کی خوبی کے لائق ان کا افسوس کرتا، ان کے مرنے پر افسوس کرنا کمال کی لاوارثی پر افسوس کرنا ہے،[1]

[1] دربار اکبری ص ۱۶۸،

خانخانان عبدالرحیم خان

کی

ایک نادرہ روزگار یادگار

از

جناب سید محمد مطیع اللہ صاحب راشد برہانپوری

خاندیس کا شاہ نشین شہر برہان پور فی زمانہ وہ شہرت نہیں رکھتا جو چار پانچ صدی قبل اس کو اپنے زمانۂ عروج میں حاصل رہی ہے، پھر بھی اس کی قدیم اہمیت آج بھی مسلّم ہے،

تاریخ میں برہان پور کو بابِ دکن اور یہاں کے ناقابلِ تسخیر قلعۂ آسیر کو کلیدِ دکن کہا گیا ہے، اس شہر کو سنہ ۸۰۰ھ میں نصیر خان فاروقی نے آباد کیا، اور اس خاندان کے ۱۴ بادشاہوں نے دو سو برس تک نہایت دبدبہ سے حکمرانی کی، اور ہر ایک فاروقی بادشاہ نے اپنے زمانہ میں منجملہ دیگر نام آوریوں کے ایسی تعمیری یادگاریں چھوڑی ہیں جن میں سے اکثر بے توجہی کے باوجود اچھی حالت میں قائم و برقرار ہیں، انکی ساخت کی ندرت اور استحکام کا یہ عالم ہے کہ آج تک حوادثِ آسمانی کے حملے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے،

برہان پور پر سنہ ۱۰۰۹ھ میں اکبر کا تسلط ہوا، مغل سلاطین تعمیرات کے بھی بادشاہ تھے، خصوصاً شاہجہان شہنشاہِ عمارات تسلیم کیا جاتا ہے، ممکن ہے آج اس پر تعجب کیا جائے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس بادشاہ نے اپنی شاہکار تعمیرات کا سنگِ بنیاد برہان پور ہی میں رکھا، بیگم شجاع کا مقبرہ، باغِ عالم آرا کے حسین محلات اور بیگما محل کو بہ آرائی کی نادر صناعی کو ایک نظر دیکھتے ہی مشاہدہ اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے،

برہان پور میں شاہجہان کی بھی دو چار یادگاریں نہیں بلکہ بکثرت ہیں اور آج سے ایک صدی قبل تو بے شمار تھیں، حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بھی متعدد تعمیری تبرکات موجود ہیں، اور ان کے اخلاف میں فرخ سیر تک کی بعض چیزیں قابلِ ذکر ہیں،

آصفجاہی خانوادہ کے چند افراد نے بھی اپنے چند سالہ دورِ حکمرانی میں متعدد قابلِ دید تعمیرات بنائیں، بیشتر مرہٹوں نے بھی فاروقی قلعہ ارک اور شاہجہانی عمارات کے ملبہ سے سنگِ مرمر اور کار آمد لکڑیاں نکال کر ایک عظیم الشان حویلی تعمیر کی، نیز ہر دور کے امرا نے بھی خاص خاص نادر و مستحکم یادگاریں چھوڑی ہیں کہا جاتا ہے کہ یہاں انگریزوں کی بھی کچھ یادگاریں ہیں، انگریزوں نے سنہ ۱۸۶۲ء میں جھانسی کے معاہدہ میں مرہٹوں سے برہان پور اور اسیر کا قلعہ حاصل کیا تھا، اور یہاں کم و بیش اسی نوے سال تک اُن کی حکومت رہی اس لئے ان کی یادگاروں کا ہونا کچھ بعید نہیں ہے، اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا،

میں چند احباب کے ساتھ قلعۂ آسیر کے کتبات دیکھنے کے لئے گیا ہوا تھا، اس وقت یہاں کے ڈپٹی کمشنر صاحب قلعہ میں آئے ہوئے تھے، میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا، کچھ دیر بعد موصوف بھی ادھر ہی آنکلے وہ مجھ سے اور میرے ذوق سے واقف تھے، اس لئے پوچھا،

یہ تو بتایئے، اس قلعہ میں انگریزوں کی کتنی یادگاریں ہیں؟ میں نے حیرت سے پوچھا، قلعۂ آسیر میں اور انگریزوں کی یادگاریں؟ فرمایا، مجھ سے بتایا گیا تھا کہ یہاں انگریزوں کی دو یادگاریں ہیں، فوج کی بارکیں اور انگریزوں کا قبرستان، میں نے دونوں چیزیں دیکھ کر ان پر نوٹ لکھ لیا ہے، اس کے سوا کچھ اور ہوں تو بتایئے، مجھے گزیٹر میں دینا ہے۔

میں نے بے ساختہ جواب دیا کہ ان دونوں چیزوں کو تو میں نے کبھی قابلِ التفات ہی نہ سمجھا، البتہ ان کی ایک منہ سے بولتی ہوئی زندہ جاوید یادگار ضرور ہے، جس سے میں اپنے مقالہ کو زینت دینا چاہتا ہوں، اب ان دو کا ذکر بھی شکریہ کے ساتھ آپ کے حوالہ سے سپردِ قلم کروں گا، صاحب موصوف نے

بھی توجہ بن کر بڑے اشتیاق سے دریافت فرمایا، وہ تیسری چیز کیا ہے ؟

مین نے جواب دیا اس قلعہ کی بھیانک ویرانی! یہی انگریزون کی زندہ جاوید یادگار ہے، آپ دیکھ رہے ہین کہ آج اس شہرۂ آفاق قلعہ مین بجز فاروقی مسجد جامع کے سر چھپانے کی کوئی جگہ نہین، جہان بادشاہ مع حرم وحشم وخدم رہتے تھے، امرا رہتے تھے، فوج رہتی تھی، عظیم الشان کتب خانہ تھا، مساجد تھین جس وقت انگریزون کا قبضہ ہوا ہے، یہ سب عمارتین مستحکم اور قابل استعمال حالت مین تھین، مگر انھون نے پریڈ اور کھیل کا میدان حاصل کرنے کے لئے توپون کی باڑھین مار مار کر سب کو منہدم کر ڈالا، اور فوجیون کے لئے سفالہ پوش چاردیواری کی چند قطارین تعمیر کین، جب اُن کی بھی ضرورت نہین رہی، تو اُن کے دروازے وغیرہ نیلام کر کے انھین بھی کھنڈر بنا دیا،

یہ انگریزون کا عہد تھا، ڈپٹی کمشنر صاحب اُن کے وفادار ذمہ دار افسر تھے، سرگوشی کے انداز مین کہنے لگے، آپ نے جو کچھ کہا غلط تو نہین ہے، مین لکھنے سے منع نہین کر سکتا، لیکن اس مضمون مین میرا نام نہ آئے تو مین ممنون ہون گا، یہ لطیفہ جملہ معترضہ ہی سہی، مگر اس کو لکھ کر مین انگریزون کی یادگارون کے ذکر سے فارغ ہو گیا، اس مضمون مین صرف خانخانان عبدالرحیم خان کی ایک یادگار کا تذکرہ لکھنا مقصود ہے،

برہان پور مین باغ بھی تھے اور شہر کی اکثر مسجدون مین بڑے بڑے حوض تھے، جن مین فوارے اچھلتے تھے، اور اُن کے لئے پانی زمین کا سینہ چاک کر کے حاصل کیا جاتا تھا، جگہ جگہ وسیع باولیان، اور گھر گھر کنوین تھے، جن کی گہرائی تقریباً سو سوا فٹ بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی، ظاہر ہے کہ اتنے گہرے کنوون سے اتنی کثیر مقدار مین پانی حاصل کرنا کہ باغ بھی سینچے جائین، اور جگہ جگہ حوض چھلکتے رہین، آسان کام نہ تھا، خانخانان کو اپنے عہد امارت مین لوگون کی اس تکلیف کا شدت سے احساس ہوا، وہ یہان نہر روان دیکھنا چاہتے تھے، مگر دشواری یہ تھی کہ دریائے تاپتی جو شہر کے دامن مین بہتا ہے، اس قدر

نشیب مین واقع ہے کہ اس کی گہرائی کنوون سے کسی طرح کم نہین، ہے، اس لئے تاپتی سے نہر نکالنے کی کوئی صورت ممکن نہین تھی، لیکن اُن کی نیت بخیر تھی، اور عزم راسخ تھا، اسلئے ایسے اسباب بہم پہنچ گئے کہ اُن کی نیک تمنا بہت بہتر طریقہ پر پوری ہوئی، اور یہ صرف خانخانان کے اقبال کا کرشمہ ہے کہ ساکنان برہانپور اور مزین برہانپور ۱۰۲۲ھ سے آج تک آب مصفا کے اس فیض رسان چشمہ سے سیراب وشاداب ہو رہے ہین،

خوشگوار صحت بخش پانی کی یہ نہرون کسی دریا یا جھیل اور تالاب سے نہین نکالی گئی ہے، کیونکہ اس نواح مین ان کا وجود ہی مفقود ہے، البتہ پہاڑون کے سینہ مین پانی کا ذخیرہ محفوظ و مخفی تھا جس کو حیرت انگیز بلکہ معجزانہ طور پر اس طرح قابو مین کر لیا گیا، کہ میلون تک اندرون زمین وسیع راستہ بنا کر اسی طرح محفوظ و سربند حالت مین برہان پور تک پہنچایا جا سکا، اور مخرج سے منفذ تک بجز راستہ کی سرنگ کے کھدائی کے اور کوئی تعمیری کام نہین کیا گیا، مگر اسی سادے کام مین نہر کے کاریگرون کی مہارت فن اور طبقات ارضی سے اُن کی حیرت انگیز واقفیت معجزہ سے کم نہین، آج بھی بڑے بڑے سائنس دان اور ماہر فن انجینیر ان چیزون کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہین،

برہان پور کے اطراف مین مختلف فاصلون پر کوہ ست پڑا کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا ہے اور دریائے تاپتی اسی کے دامن مین بہتا ہے، دریا کا بہاؤ حصار شہر کے ساتھ ساتھ شمال سے جنوب کی طرف واقع ہوا ہے جس سے ظاہر ہے کہ شہر کی زمین کا نشیب بھی شمال سے جنوب کی طرف ہے،

نہر بنانے والون نے ذخیرۂ آب کی جستجو مین مختلف پہاڑون کا جائزہ لیا اور کسی نہ کسی ذریعہ سے اسکی مطلوبہ مقدار کو ڈھونڈ نکالا، یہ مقام برہان پور سے جانب جنوب مغرب ..... میل کے فاصلہ پر واقع ہے، جہان ذخیرۂ آب کی موجودگی کی کوئی ظاہری علامت جھیل، تالاب یا چشمہ وغیرہ موجود نہین ہے، اس لئے سینۂ کوہ مین محفوظ و مخفی ذخیرۂ آب کی دریافت اُن کے ذہن رسا کا معجز نما کرشمہ ہے،

اس کا اطمینان کر لینے کے بعد کہ پانی کی یہ مقدار موجودہ ضروریات کو پورا کر سکے گی، اور اس کو دیکھ

محفوظ کرکے برہان پور تک لانے کا انتظام شروع ہوا، اور صاحبِ کمال صناع اور طبقات الارض کے ماہرین
نے زمین کو گہرا کھود کر وہ طبقہ برآمد کیا، جس کی مٹی سنگ خارا کا مزاج رکھتی ہے، جو تر پانی کے ساتھ بہتی ہے، اور
اس کو جذب کرتی ہے، اور کم و بیش سو فٹ گہرائی میں سرنگ کھود کر مخرج سے لعل باغ تک پہنچائی گئی،
روشنی اور تازہ ہوا کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سرنگ کی چھت میں سطحِ زمین تک حسب ضرورت
وسیع عمودی سوراخ بنا دیئے گئے،

اس نہر یا سرنگ میں پہنچ کر آپ دیکھیں گے کہ اکثر جگہ سرنگ کی وسعت میں تفاوت ہے، اور
وہ شاخ در شاخ ہے، ماہرینِ فن کا بیان ہے کہ یہ دونوں چیزیں صناعوں کی مہارتِ فن کا ثبوت
ہیں، جس مٹی کی سطح پر انھوں نے پانی بہا کر لیجانا تجویز کیا تھا، وہ اکثر جگہوں پر مقررہ پیمانہ سے کم تھی، اسلئے
انھوں نے وسعت میں کمی کردی، اور اس کمی کو دوسری شاخ سے پورا کیا، یہی وجہ ہے کہ اتنی طویل سرنگ
کسی جگہ بھی ایک دو فرلانگ بخطِ مستقیم نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک خاص طبقۂ زمین سے کام لے رہے تھے،
جس سمت یہ مٹی ملتی گئی، اسی سمت سرنگ کو آگے بڑھاتے گئے،

نہر کا تعمیری کام لال باغ سے شروع ہوا ہے، اور یہ کام بھی نہر کی کھدائی کے ساتھ ساتھ جاری
رہا، یہاں ایک وسیع اور کافی عمیق حوض تعمیر کیا گیا، اس حوض کی تعمیر میں حیرت انگیز صناعی سے کام
لیا گیا ہے، اس کو جالی کا رنج کہتے ہیں، یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ حوض کے محدود رقبہ میں اقلیدسی پیمانوں
سے کئی چھوٹے کنویں ایک دوسرے سے متصل مختلف گہرائی اور دہانوں کی کم و بیش بلندی کے تعمیر کئے گئے،
جن سے کثیر التعداد چہ بچوں کا جال سا بن گیا، ان تمام چہ بچوں کے دہانوں کے اندرونی و بیرونی حصہ میں ماہی پشت
اور لہردار ابھرے ہوئے نقش و نگار کے پتھر نصب ہیں، تاکہ پانی ہر حالت میں ان کھردری سطحوں پر تیزی
سے گذر کر صاف ہوتا ہوا آگے بڑھے، چہ بچوں کی گہرائی، فاصلے اور دہانوں کی بلندی کے تناسب میں،
حیرت انگیز صناعی ہے کہ پانی ایک کنویں سے ابل کر پوری طاقت سے دوسرے کنویں میں داخل

ہوتا ہے اور اسی زور میں چکر کھا کر جوش مارتا ہوا دوسرے نشیبی کنویں میں گرتا ہے، اسی طرح تمام چہ بچوں میں یہ
عمل جاری رہتا ہے، اور یہاں سے آگے بڑھنے والا پانی نہایت مصفا و مقطر ہو کر رواں ہوتا ہے، جالی کا رنج
اس عہد کا ایسا دوامی اور کامیاب فلٹریشن ہے جس میں نہ کوئی کل استعمال کی گئی ہے، اور نہ کسی دوا کی
ضرورت ہوتی ہے، اور یہ پانی صاف اور شفاف ہونے کے ساتھ ساتھ خوشگوار، ہاضم اور صحت بخش بھی ہے،

لعل باغ جس کے رقبہ میں جالی کا رنج تعمیر ہوا ہے، وہ فاروقی سلاطین کے عہد کا ایک وسیع باغ عامہ تھا، اس
باغ کی سینچائی کا دار و مدار کنووں سے نکالے ہوئے پانی پر تھا، جب یہاں نہر رواں پہنچ گئی تو اس کے ذریعہ روشوں
کے حاشیوں پر آب جاری کی چھوٹی چھوٹی نہریں، جگہ جگہ خوبصورت حوض اور انیں حسین فوارے تعمیر کئے گئے،
اور وسط باغ میں نہایت وسیع و عمیق حوض بنایا گیا، جس کے وسط میں خاصی وسعت کا شہ نشین تعمیر کیا گیا
اور اس کو ایک محراب دار خوشنما پل کے ذریعہ حوض کے مشرقی کنارے سے ملا دیا گیا تھا، پل کے علاوہ حوض
میں متعدد چھوٹی کشتیاں بھی موجود رہتی تھیں جن کے ذریعہ تفریح کرنے والے شہ نشین میں جاتے تھے، حوض کئی
سو گز طول و عرض کا مربع تالاب تھا جس میں جگہ جگہ فوارے اچھلتے اور نظر فریب کنول لہلہاتے تھے،

جالی کا رنج کو برہان پور کے لئے پانی کا مرکز بنانے اور پانی کی مقدار وافر کو قابو میں رکھنے کا انتظام
کرنے کے بعد شہر تک جو دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر ہے، چونہ اور گچ کے نل کے ذریعہ اس کو شہر کی حدود تک پہنچا دیا
گیا، شہر کے اندر وسیع میدانوں قلعہ شاہی، امراء کے محلات اور مسجدوں میں وسیع حوض اور منبع تعمیر کرائے گئے
مگران کو مرکز اور نیز ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کا کام ملتوی رکھا گیا، تاکہ پانی کی مقدار، روانی، اور اسکو
قابو میں رکھنے کا اطمینان پہلے حاصل کر لیا جائے،

اس کے بعد نہر میں اجرائے آب کا کام شروع ہوا، اور پہاڑ کی رگوں میں معجز نما صناعی سے شگاف
دے کر پانی کے سوتوں کو اندر ہی اندر نہر کے دہانہ میں منتقل کر دیا گیا، اور یہ پانی معمولی رفتار سے جاری ہو کر جالی
کا رنج تک پہنچ گیا، اور یہاں تصفیہ آب (فلٹریشن) کا عمل بھی کامیاب ثابت ہوا، اس تجربہ کے بعد جالی کا رنج

کے دہانہ کو عارضی طور سے بند کر دیا گیا،

اس تجربہ مین بالغ نظر صناعون کو یہ اندازہ ہوا کہ نہر کی سطح زمین سے اس قدر گہرائی مین واقع ہونے کے سبب پانی کی روانی مین حسب دلخواہ تیز رفتاری نہین ہے، اور اس کے شہر تک پہنچنے کے بعد سطح کا یہ تناسب اس مین اور کمی کر دے گا، بلکہ شہر مین پانی بالائے زمین روان بھی نہ ہو سکے گا، اور یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہین ساری کوششون پر پانی نہ پھر جائے، مگر ذہین کاریگر قدرتی طاقتون اور ان کے برمحل استعمال سے اس قدر صحیح واقفیت رکھتے تھے کہ آج سائنس اپنی حیرت انگیز مشینون کی مدد سے بھی قدرتی طاقتون پر متصرف ہونے کا یقینی دعوی نہین کر سکتی،

چنانچہ انھون نے ہوا کے دباؤ کی قدرتی طاقت سے فائدہ اٹھایا اور نہر کی چھت مین جہان جہان سطح زمین تک ہوا اور روشنی کے لئے سوراخ بنائے گئے تھے، ہر ایک سوراخ کے دہانے پر چونے اور گچ سے مخروطی شکل کے کھوکھلے مینار تعمیر کئے، ان میناروں کا فاصلہ انکی ساخت، اُن کی بلندی اور قطر ہر جگہ مختلف ہے، کسی کا دور بنیاد مین ۲۵ فٹ ہے، کسی کا ۳۰ - ۴۰ فٹ تک، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے، لیکن انتہائی بلندی پر کسی کا دور ڈیڑھ دو فٹ سے زیادہ نہین ہے، بعض ایسے بھی ہین، جو صرف ۱۲، ۱۵ فٹ بلند ہین، اُن کی ساخت مین بھی فرق ہے، منفذ سے جالی کارنج تک یہی صورت ہے، یعنی جہان بھی نہر کی چھت مین سوراخ بنایا گیا تھا، اس کے دہانہ پر مینار ضرور تعمیر کیا گیا، صرف ایک مقام پر جو جالی کارنج سے جنوب مغرب کی طرف تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے، مینار کے بجائے متوسط دہانے کا کنوان سطح آب سے سطح زمین تک پختہ بنا دیا گیا ہے تاکہ ضرورت کے وقت یہان سے اتر کر نہر کی اندرونی حالت کا مشاہدہ کیا جا سکے، اس کنوین کے سوا نہر مین داخل ہونے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے، اس لئے سیاح اسی کنوین مین اتر کر مشاہدہ کرتے ہین میونسپل کمیٹی نے اس کنوین کے اندر مضبوط آہنی سیڑھی نصب کرکے دہانہ پر آہنی ڈھکنا لگا دیا ہے،

مخروطی میناروں کے طرز تعمیر مین تفاوت سے جو خاص کام لیا گیا ہے، اس سے لوگ واقف نہ تھے، اس انکشاف کا سہرا ایک سائنس دان انجینیر صاحب کے سر ہے، جن کا اسم گرامی یاد نہ رکھ سکا،

جی آئی پی، ریلوے کے جنکشن بھساول مین ریلوے کارخانے بھی ہین، ان کارخانون اور جنکشن کی ضروریات کے لئے تاپتی ندی سے پانی حاصل کیا گیا ہے، پانی کو صاف کرنے کے لئے جدید وضع کا فلٹریشن لگا کر آب مصفا کو پمپ کی طاقت سے آہنی نلون کے ذریعہ مطلوب مقامات پر پہنچایا گیا ہے،

ایک روز مین فلٹریشن دیکھنے گیا، انجینیر صاحب نے خود رہنمائی کی، اور فلٹریشن اور اس کی تمام متعلقہ مشینین دکھائین، مین نے ان عجیب و غریب مشینون کو حیرت سے دیکھ کر دریافت کیا کہ اس کارخانہ کے مصارف کا کیا اندازہ ہوگا؟ جواب دیا مشینری کی قیمت دو لاکھ روپیہ سے زیادہ ہے، اور اس کی تنصیب پر ہزارہا روپیہ صرف ہوا ہے، عملہ کی تنخواہون، دواؤن اور مشینون کی صفائی و درستی وغیرہ کا مجموعی خرچ تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ ماہوار ہے،

مین نے کہا اتنے کثیر خرچ کے عوض چند ہزار گیلن پانی تو بہت مہنگا معلوم ہوتا ہے، اور بطور تقابل اس نہر کا ذکر کیا، جس کا پانی صدیون سے اہل شہر استعمال کر رہے ہین، اور مصارف کچھ نہیں ہین، انجینیر صاحب نے مشتاق ہو کر فرمایا، کہ مین برہان پور آ کر یہ چیز ضرور دیکھون گا، چنانچہ جب وہ تشریف لائے تو مین نے اُن کو تمام قابل دید چیزین دکھلائین، وہ اُن کو دیکھ کر دنگ رہ گئے، اور کہا:

"واللہ یہ کاریگری نہین معجزنمائی ہے"

میرے اس سوال پر کہ یہ مینار نہ خوبصورت ہین، نہ یکسان آخر یہ کیون بنائے گئے ہون گے؟ انھون نے فرمایا کہ یہی چیز اس قدر گہری سطح کے پانی کو ڈھکیل کر تیز رفتاری سے مقام مقصود تک لیجاتی ہے، اس نہر کے معمار، ہوا کی مقدار، اس کے دباؤ کی طاقت اور اس کو قابو مین رکھنے کے ذرائع سے بدرجہ کمال واقف

واقفیت رکھتے تھے، میناروں کی بلندی مین کمی بیشی، ان کے فاصلہ اور قطران صناعون کی حیرت انگیز مہارت کا ثبوت ہے، جہان جس قدر ہوا کے دباؤ کی ضرورت تھی، انھون نے اتنی ہی گنجایش کے مینار تعمیر کئے، ان کے ذریعہ سے دمبدم صاف و تازہ ہوا پانی کو صاف کرتی اور قدرتی دباؤ سے پریس کرکے تیز رفتاری کے ساتھ روان دوان رکھتی ہے، گویا یہ قدرتی پمپ کا سلسلہ ہے، جو بلا کسی ذریعہ کے چل رہا ہے، اور جب تک قائم ہے چلتا رہے گا،

۱۰۲۳ھ ماہ ذی الحجہ کی ابتدائی تاریخون تک دوسرے تمام کام تکمیل کو پہنچ گئے، صرف اندرون شہر حوضون و منبعون کا مرکز اور ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کا چندروزہ کام باقی رہ گیا تھا، جس کو عید قربان کی تقریبات کے بعد شروع کر دیا گیا، شہر کی تمام سڑکین اور راستے دو تین فٹ کھود کر مٹی کے نلون کا سلسلہ قائم کیا گیا، راستون کے موڑ پر اور جہان آئندہ مزید شاخین بڑھانا مقصود تھا، وہان دو شاخہ نل نصب کرکے ان مین لکڑی کی ڈاٹ لگا کر عارضی بندش کر دی گئی، ہفتہ عشرہ مین یہ کام بھی ہو گیا، مگر سڑکین کھدی پڑی رہین تاکہ اگر پانی جاری ہو جانے پر کوئی خرابی ہو تو نظر آسکے، اور اس کی درستی کر لی جائے، مگر لوگون کو آمد و رفت اور کاروبار مین تکلیف ہو رہی تھی، اور پانی کی آمد کا بھی انتظار تھا، اور وہ بے تابی سے منتظر تھے کہ آخر وہ وقت کب آئیگا ؟ ایک دن اعلان ہوا کہ فلان روز حوضون مین پانی آنا شروع ہوگا، لوگ بڑے اشتیاق کے نو تعمیر حوضون کے پاس پہنچنے لگے، یکایک خوشی کے نعرے بلند ہوے کہ پانی آگیا ! اور منبعون اور حوضون مین پانی کے تیز دھارے جوش و خروش سے گرنے لگے، مگر پانی کے زور سے وہ تمام ڈاٹ جو فاضل اور دو شاخہ نلون مین لگی ہوئی تھی ٹوٹ گئی، اور تمام راستے پانی سے بھر گئے،

مولانا فرید الدین نجومی دہلوی بھی جو خانخانان کی ملازمت و مصاحبت سے سرفراز تھے اور تاریخ گوئی مین دور دور تک جواب نہ رکھتے تھے، احباب کے ساتھ تماشا دیکھنے کے لئے آئے تھے، مولانا بڑے خوش پوشاک اور نفیس مزاج تھے، اُن کے سارے کپڑے پانی سے شرابور ہو گئے تھے، انھون نے "زہ خواری" سے اس کی

۱۰۲۳ھ

تاریخ نکالی،

مگر اس خرابی پر جلد ہی قابو پالیا گیا، پانی کو جالی کارنج کے اُدھر روک کر گڈ لائے ہوئے حوضون کو خالی کرکے انھین صاف کرایا گیا، نلون کے مخدوش مقامات پختہ کر دیئے گئے، اور ان مین از سر نو مضبوط ڈاٹین لگا کر سڑکین اور راستے ہموار کر دیئے گئے، اور ہر طرح کا اطمینان کر لینے کے بعد ماہ محرم کے پہلے ہفتہ کی کسی تاریخ کو بغیر کسی اطلاع کے پانی جاری کر دیا گیا، اس کے بعد پھر کوئی خرابی واقع نہ ہوئی، اور پورا انتظام آب رسانی حب دلخواہ باقاعدگی اور کامیابی کے ساتھ چلنے لگا، اس مرتبہ مولانا فرید الدین مسعود نے "خیر جاری" سے تاریخ نکالی،

پانی جاری ہونے کے دوسرے دن تمام حوض چھلک اُٹھے، اور ان مین فوارے زور شور سے اچھلنے لگے، جمعہ کے روز تمام اہل شہر نے جامع مسجد اور شہر کی بڑی بڑی مساجد مین نہر روان کے پانی سے وضو کرکے نماز ادا کی، اور خدا کا شکر، اور خانخانان کا شکریہ ادا کیا، اور اس دریا دل امیر نے اس تقریب مین لعل باغ مین جشن شاہانہ منعقد کیا، اور نہ صرف صناعون کو فیاضانہ صلے و انعامات دیئے، بلکہ شہر کے غربا و مساکین کو بھی اس خوشی مین نہال و مالامال کر دیا، کئی روز شاہانہ ضیافتون کا سلسلہ جاری رہا،

اس کے بعد شہر کے دور افتادہ محلون پر توجہ کی گئی، اور جگہ جگہ وسیع حوض تعمیر کرکے شہر کے چپہ چپہ کو اس فیض جاریہ سے مستفید ہونے کا انتظام کر دیا گیا، کم و بیش ڈھائی سو سال تک یہ سلسلہ کامیابی کے ساتھ جاری رہا، بلکہ جاری تھا کہ انگریزی عہد غالبًا انیسوین صدی کے آخری عشرہ مین جالی کارنج سے اندرون شہر کے سلسلون تک مٹی کے نلون کے عوض لوہے کے نل لگا دیئے گئے، اس نئے انتظام سے سارے راستون اور حوضون کے متصل بنے ہوئے وہ منبعے بیکار ہو گئے جن مین حوضون کے لبریز رہنے کے باوجود قریبًا نصف حوض کے برابر پانی موجود رہا کرتا تھا، اس نئے انتظام مین واٹر ٹیکس لگا دیا گیا،

اس طرح یہ نعمت جو قدرت کی فیاضی اور خانخانان کی دریا دلی سے ڈھائی سو سال تک عام اور بے قیمت تھی،

عام نہ رہی، اہلِ ثروت نے اپنے گھروں میں پانی کے نل لگالئے، کچھ حاکم کی نیت کے باعث اور بہت کچھ گھروں میں نل لگ جانے سے پانی کی وہ افراط ختم ہوگئی، اور وہ ناکافی ثابت ہونے لگا، اس لئے دن رات میں صرف دو مرتبہ چند گھنٹوں کے لئے کھولا جانے لگا،

انگریزی عہد میں بیسویں صدی کے آغاز میں اس نہر کو ایک افتاد سے نہایت ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا، اور متواتر چند سال کی خشک سالی سے نہر میں پانی کی آمد کم ہوگئی، یہ وہ زمانہ تھا جب برہان پور میں میونسپل کمیٹی قائم ہوچکی تھی اُسکے ممبروں نے غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی کہ:

"جالی کارنج سے اوپر کی طرف پانی کے ساتھ بہہ کر آئی ہوئی مٹی جمنے سے سطح اونچی ہوگئی ہے، اس کو کھود کر نکال دیا جائے تو پانی کا رکاؤ دور ہوجائے گا"

اس مٹی کو ہٹانے سے وہ سطح مخدوش ہوگئی، جو پانی کو زمین میں جذب ہونے سے محفوظ رکھتی تھی، اس لئے پانی کی مقدار میں اضافہ ہونے کے بجائے اور کمی ہوگئی، اور اس کی تلافی بارش کے پانی سے نہ ہوسکی، اور لوگوں نے تنگ آکر پُرانے کنوئیں جو صدیوں سے بند پڑے تھے، صاف کرائے، چند سال کے بعد جب نہر کے پانی میں اضافہ ہونے سے قطعاً مایوسی ہوگئی، تو تاپتی ندی کے ایک کثیر المقدار آب والے سوتے کا پانی پمپ کے ذریعہ حصارِ شہر کے مبارک پورہ دروازہ کی چھت پر ایک ٹینک میں پہنچ کر وہاں سے بر کے نل میں شامل کردیا گیا ہے، اتنی جد و جہد اور کثیر مصارف کے بعد بھی شہر میں صرف چار پانچ گھنٹہ مقررہ اوقات پر پانی آتا ہے، اور وہ بھی دو تین منزلہ مکانوں کے بالائی حصّوں میں حسب ضرورت نہیں پہنچتا،

جالی کارنج سے اوپر کی طرف نہر کے تمام آثار اب تک موجود ہیں، اور لوگ مخروطی میناروں کا سلسلہ بیرونِ شہر ہی سے دیکھ سکتے ہیں، مگر اندرونِ زمین نہر کو دیکھنے کے لئے واقف کار ساتھی کی ضرورت ہے، کیونکہ چھتا ہرن کے دہانہ کا پتہ چلانا اور کنوئیں میں اتر کر نہر کے شاخ در شاخ راستوں میں گھومنا آسان کام نہیں، اندھیرا زیادہ نہیں، اگر روشنی ساتھ نہ بھی ہو تو کچھ دیر میں

خود ہی نگاہ کام کرنے لگتی ہے، اور رفتہ رفتہ ہر چیز سمجھ میں آنے لگتی ہے، برہان پور میں یوں تو بہت سے لوگوں نے اس کو دیکھا ہے، لیکن ماسٹر محمد حشمت اللہ صاحب ریاضی اس کی تاریخی روداد اور تفصیلات سے کبھی واقف ہیں، وہ آثار قدیمہ سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں، اور مشاہدہ کے شائقین کو اپنا قیمتی وقت بھی دیتے ہیں،

برہان پور میں یہ پہلی نہر ہے جو خانخانان عبدالرحیم خان کی کوشش سے جاری ہوئی، اور جاری ہے، اور اگر مستقبل میں کبھی کمیٹی کے عقلا نے سطحِ نہر کی مزید کھدائی نہ کی تو صدیوں جاری رہے گی،

اس نہر کے بعد اطراف برہان پور میں تین اور نہریں تعمیر کی گئیں، جو عرصہ ہوا ختم ہوگئیں، مگر اُن کے منہدمہ آثار اب تک موجود ہیں، ۱۰۲۶ھ میں شاہجہان نے بزمانہ شہزادگی، ایک بڑی نہر آناولی ندی سے نکال کر باغ عالم آرا[1] تک پہنچائی تھی، یہ ندی برہان پور کے مشرقی جانب چھ سات میل کے فاصلہ پر آکر اور چند میل کا کوہستانی راستہ طے کرکے دریائے تاپتی سے مل جاتی ہے، شاہجہان کے حکم سے ندی کے راستہ میں تقریباً ۵۰ فٹ بلند اور سو گز طولانی پختہ دیوار تعمیر کرکے مصنوعی چادرِ آب یا ہموار آبشار کا منظر پیدا کیا گیا تھا، اور اس آبشار کے ہر دو طرف وسیع اور نظر فریب محل و باغات بنائے گئے تھے، جو آج بھی قائم اور تفریح گاہ

---

[1] شاہجہان نے یہ باغ قلعہ ارک فاروقی کے بالمقابل تاپتی ندی کے دوسرے کنارے پر تعمیر کیا تھا، یہاں شہزادہ دانیال کے تعمیر کردہ آہو خانہ کی وسیع چار دیواری موجود تھی، اس مستطیل چار دیواری کے اندر عظیم الشان بارہ دری، عجیب و غریب وضع کا محل اور اس سے متصل نہایت وسیع مربع حوض تعمیر کرایا، جس کے وسط میں تالاب لعل باغ کی طرح شہ نشین بناکر وہاں تک جانے کے لئے پل تعمیر کیا، اس حوض میں نہر کا پانی پہنچانے کے لئے تین انچ دہانہ کے پیس نل سنگ خارا کے موزون فاصلوں پر نصب کئے گئے تھے، اور چار دیواری کے باہر چاروں طرف یکساں فاصلہ کا باغ کا حصار تعمیر کیا تھا، جس کا صدر دروازہ حصارِ شہر کے دروازوں کے نمونہ پر بنایا گیا، اس باغ میں بے شمار پھولوں اور پھلوں کے علاوہ نہایت نفیس اور چیدہ آموں کے پودے لگائے گئے تھے، اسکی تیاری و تکمیل کے بعد یہ باغ شاہجہان نے اپنی منجھلی لڑکی عالم آرا بیگم کو دیکر اسی کے نام سے منسوب کردیا تھا، جو تاریخ میں باغ عالم آرا

خاص و عام ہین، شاہجہان نے سنہ ۱۰۴۰ھ مین یہ تفریح گاہ مع متعلقہ جاگیری محال کے اپنی نوزائیدہ دختر گوہر آرا بیگم کے نام نامزد کر دیا تھا، اور یہ مقام جو پہلے محال کرارا کہلاتا تھا محل گوہر آرا ہو گیا، کچھ عرصہ سے یہان کے بھیل اور گونڈ باشندے اس کو محل گوڑاڑا کہتے ہین، یہ وہی بچی ہے جس کی ولادت کے موقع پر بیگم کا انتقال ہوا تھا،

ندی کی سطح ۵ فٹ بلند ہونے کی وجہ سے نہر نکالنے کی بھی صورت پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ آبشار سے اوپر کی طرف تھوڑے فاصلہ پر گچ کی پختہ نالی بنا کر اس مین پانی کا ایک دھارا منتقل کر کے باغ عالم آرا تک اس طرح روان کیا گیا، کہ جہان ریت یا نرم زمین ملتی گچ سے نالی بنا دی جاتی، سخت زمین پر یونہی راستہ ہموار کر دیا جاتا، تقریباً چالیس میل کے بعد ایک مثمن وسیع حوض تعمیر کر کے چھوٹے پیمانہ پر جالی کانچ کے مانند تصفیہ آب کا نظام قائم کیا گیا، پھر یہان سے آخر تک پختہ نالی کے ذریعہ مقام مقصود تک نہر آ گئی، یہ نہر ڈیڑھ سو سال تک قائم رہی، پھر اس مین ایسے رخنے پیدا ہو گئے، کہ ان کا مداوا نہ ہو سکا، ادھر بساط سلطنت بھی الٹ چکی تھی، اس لئے اس کا قصہ ہی ختم ہو گیا، اس کے چند آثار گچ کی شکستہ نالیان اور فلٹریشن اب بھی کھنڈون اور غیر آباد جنگل مین درس عبرت دینے کے لئے موجود ہین،

خان جہان لودی نے اپنے عہد امارت مین اپنے والد دولت خان لودی کا عظیم الشان مقبرہ تعمیر کیا، اور مقبرہ سے متعلق باغ اور پائین باغ تعمیر کیا، اور ان باغات کی سیرابی و شادابی کے لئے چھوٹی اتاولی کے مخرج کالی دہ سے ایک نہر نکالی اور گچ کی پختہ نالی کے ذریعہ مذکورہ مقبرہ تک پہنچائی گئی، جو دلاور خانی کہلاتا ہے، کالی دہ دلاور خانی سے شمال کی جانب واقع ہے، اگرچہ مخرج کی سطح خود ہی بلند ہے، پھر بھی اس نہر کے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۱) کے نام سے بھی متعارف ہے، جدید حصار تو منہدم ہو گیا ہے، مگر دروازہ پوری شان کے ساتھ موجود ہے، نیز چار دیواری کے اندر حوض شہ نشین اہل، نادر وضع کا محل بھی اچھی حالت مین ہین، بارہ دریان، البتہ ٹوٹ پھوٹ گئی ہین، اسی باغ کو متعلق وہ پائین باغ ہے جس مین ارجمند بانو بیگم کی لاش چھ ماہ تک، امانتاً سپرد زمین کی گئی تھی بیگم کا عارضی مدفن اسی سے ملحقہ مسجد اچھی حالت مین موجود ہے اور اس محل کے کھنڈر بھی جس مین ستی النساء آرا بیگم نے بحیثیت محافظ و مجاورہ وہ زمانہ گذارا تھا،

دہانہ سے تھوڑی ہی دور پر اتاولی جیسی پرشور اور تیز رفتار پہاڑی ندی کے راستہ مین نہایت پختہ اور خاصی بلند دیوار بنا کر پانی کی سطح کو مزید اونچا کیا گیا ہے، اور قریب ہی تصفیہ آب (فلٹریشن) کا تعمیری نظام قائم کر کے آب مصفا کو پختہ نالی کے ذریعہ دلاور خانی تک لیجایا گیا تھا، جس کے تمام شکستہ و ریختہ آثار آج بھی نمودار ہین، فلٹریشن کے نواح مین غیر آباد مقام پر ہونے کے باعث ایسا بھیانک منظر ہے کہ درندون کے خوف سے اندر قدم رکھنے کی جرات نہین ہوتی، آبشار بنانے والی دیوار اپنے بہترین مصالحہ کے باعث ابھی تک قائم تو ہے، لیکن پانی کے تیز و تند دھارے نے مضبوط دیوار کو سد راہ پا کر ایک کنارے سے مٹی کے ٹیکرے کو کاٹ کر اپنا راستہ بنا لیا ہے، اور مرور ایام سے ٹیکرے کی مٹی بہا لے گیا ہے کہ اب ندی دیوار کی حدود سے کافی دور ہٹ کر بہتی ہے،

یہ نہر اگرچہ اول الذکر نہرون کے مقابلہ مین سب سے زیادہ پختہ تھی، اور اس کا طول بھی چار میل سے کم ہی ہوگا، لیکن سب سے پہلے یہ تعمیر کے بعد بہت جلد ہی منہدم ہو گئی، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خود خانجہان مظلوم کا جلد ہی دردناک حالات مین قلع قمع ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی سربرآوردہ لودی بھی نکبت و زوال سے دوچار ہو گئے، پھر لودیون کا باغ سینچنے کے لئے نہر کو تباہی سے کون بچاتا،

ایک اور نہر عہد شاہجہانی کے ہندو امیر راجہ راؤ رتن ہاڈا نے تعمیر کی تھی، راؤ رتن کے محلات بیرون شہر برہان پور محلہ نعمت پورہ مین واقع ہین، یہین ان کا باغ بھی تھا، باغ اور محل کی شادابی اور سیرابی کے لئے راجہ کے حسب خواہش شکرہ تالاب سے ایک نہر نکالی گئی تھی، یہ سب سے آخری اور طول مین سب سے کم تھی، اس لئے شکرہ تالاب سے جو دراصل ایک چھوٹی جھیل تھی، چند گز کے فاصلہ پر ایک پختہ حوض تعمیر کر کے اسی مین تصفیہ آب کا مختصراً انتظام کر کے حوض سے آگے راجہ جی کے باغ تک پختہ نالی کے ذریعہ نہر پہنچا کر نالی کو سربلند کر دیا گیا تھا، البتہ پورے راستہ مین ہوا کے دباؤ کے قدرتی پمپ کا نظام قائم کیا گیا تھا، تھوڑی تھوڑی دور پر اس کے نشیب ابھی تک موجود ہین، مگر یہ بلندی مین بھی کم ہین، مخروطی نہین تھا ہین، یہ نہر دہانہ سے کچھ دور تک اندر ہی اندر زمین جاری ملتی ہے، لیکن باغ اور محل تک نہین پہنچتی، راستہ ہی مین کہین زمین مین جذب ہو گئی ہے، یا مرور ز

سے پختہ سطح ٹوٹ جانے کی وجہ سے متعلقہ دیہات کی باؤلیون مین اس کے سوتے مل گئے ہین، راجہ جی کا باغ اب اُجڑ چکا ہے، اور محل بھی ویران اور شکست و ریخت کی وجہ سے کھنڈر نظر آتا ہے، یہ مقام زمانۂ آبادی مین کس قدر خوش منظر رہا ہوگا، جب کہ آج غیر آباد اور کسی حد تک مخدوش ہونے کی حالت مین بھی اتنی دلکشی رکھتا ہے کہ برہان پور کے تفریح پسند لوگ وہان جاتے رہتے ہین، اس نواح مین بجز اس کھنڈر کے اور کوئی چیز قابل دید نہین ہے، اور پانی دور دور تک نایاب ہی،

یہ تھا گیارھوین صدی ہجری مین برہان پور کا نظام آب رسانی جس کی ابتدا عبدالرحیم خان خانخانان نے کی اور آج بھی اُن کی اس نادر زمانہ فیض رسان یادگار کو اولیت حاصل ہی،

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات عالمگیر پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشار اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ اور ہندوستان کے صیغۂ انشار کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشار اور اس کی تاریخ کے ماخذ، عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و حالات پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،

(مرتبہ پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی)

قیمت صر

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان مین مسلمان حکمرانون کے عہد کی ایک جھلک

پروفیسر ڈی پنت، بی۔ کام، پی۔ ایچ۔ ڈی، لکھنؤ یونیورسٹی نے "مغلون کی تجارتی پالیسی" کے نام سے ایک اہم کتاب لکھی ہے، جس مین ہندوستان مین اکبر سے اورنگ زیب تک کے عہد کی تجارت پر محققانہ تبصرہ کیا ہے، ذیل مین ہم اس کی تلخیص درج کرتے ہین، تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ عہد مغلیہ مین ہندوستان کی اندرونی اور بیرونی تجارت کو کہان تک فروغ حاصل ہوا۔

عہد اکبری

اکبر کے عہد مین بحری راستون پر پرتگالیون کا قبضہ تھا، اس زمانہ مین ولندیزیون کی بھی قوت بڑھ رہی تھی، اور انگریز بھی ہندوستان کے افق پر نمودار ہو رہے تھے، ان سب مین اکبر نے پرتگالیون کی حوصلہ افزائی کی، کیونکہ وہ اپنی برآمدی تجارت کو بڑھانا چاہتا تھا، اور اس کے بدلے مین جواہرات قیمتی دھاتون گھوڑون اور دوسرے سامانِ تعیش کی درآمد کا خواہان تھا، لیکن پرتگالیون نے اس حوصلہ افزائی سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا، بعض راستون پر شاہ پرتگال کے اقتدار کی اجارہ داری کا اعلان کر دیا، ہندوستان کے جہاز مشرقی افریقہ یا چین وغیرہ جاتے، تو وہ اُن سے پروانۂ راہداری طلب کرتے، اور دوسرے غیر ملکی جہازون کو اسلحہ اور سیاہ مرچ لے جانے سے روکتے، اکبر کو جب ان زیادتیون کی خبر ملی تو وہ پرتگالیون

ضرب لگانے کے لئے ولندیزیون کی طرف مائل ہوگیا، جہانگیر نے بھی یہی کھیل انگریزون کو بڑھا کر کھیلا،

انگریزون نے جہانگیر کے زمانہ مین سرطامس رو سے بھی پہلے ہندوستان سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی کوششین کی تھین، لیکن اُن کو اس لئے کامیابی نہین ہوئی تھی کہ آگرہ کے دربار مین پرتگالیون کے اثرات تھے، اُن کی جد و جہد ۱۵۸۳ء سے جاری تھی کہ رالف فیچ پہلی دفعہ ایک جہاز مین بیٹھکر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا، لیکن اکبر کے دربار مین انگریزون کو کوئی رسوخ حاصل نہ ہوسکا، جہانگیر کے زمانہ مین ان کو سورت مین قدم جمانے کا موقع مل گیا،

عہدِ اکبری مین تین طرح کے لوگ ہندوستان کی اندرونی تجارت مین لگے ہوئے تھے،

(۱) ساحلی علاقے کے مسلمان،

(۲) گجرات کے بنیے اور

(۳) کرومنڈل کے چیٹی،

بندرگاہین

اس وقت مغربی یورپ مین ہندوستانی مال کی مانگ زیادہ نہ تھی، مالابار کی سیاہ مرچین تو وہان بھیجی جاتی تھین، لیکن سوتی کپڑون کی تجارت بہت زیادہ نہ تھی، البتہ ایشیا کے دوسرے حصون سے ہندوستان کے سوتی کپڑون کی تو بکثرت مانگ تھی، اس لئے مشرقی سمندرون مین ہندوستانی تجارت کی ترقی کی بڑی ضرورت تھی، ۱۶۰۰ء مین ہندوستان مین حسب ذیل بندرگاہین تھیں،

(۱) لاہری بندر (نزد کراچی) (۲) ڈیو (۳) بھروچ (۴) سورت (۵) دامن (۶) بسین نزد بمبئی (۷) چول نزد بمبئی (۸) ڈیبل (۹) گوا (۱۰) بٹیکل (۱۱) بھٹکل (۱۲) منگلور (۱۳) کالی کٹ (۱۴) کوچین، (۱۵) کومن (۱۶) نگاپٹم (۱۷) سنٹ تھوم (۱۸) پولی کٹ (۱۹) مسولی پٹم (۲۰) ہوگلی، (۲۱) ست گاؤن، (۲۲) چاٹگام،

اکبر کی اہم بندرگاہین لاہری بندر، بھروچ، سورت، اور ست گاؤن تھین، منو کی لاہری بندر

کے بارہ مین لکھتا ہے کہ یہان عرب اور ایران سے جہاز آتے ہین، اور کھجورین، گھوڑے، موتی، جواہرات، خوشبودار چیزین اور سنا وغیرہ لاتے ہین، اور اس کے بدلے یہان سے سفید اور سیاہ قند، مکھن، زیتون کا تیل اور کوکو لیجاتے ہین، ان کے علاوہ سفید کپڑے، اور مختلف قسم کی چھینٹین برآمد کی جاتی تھین،

سورت کے متعلق منوکی لکھتا ہے کہ یہ ہندوستان کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے، یہان یورپ کے مختلف ملکون اور ایران، عرب، مکہ، بصرہ، مالابار، کرومنڈل، مسولی پٹم، بنگال، سیام، چین، مالدیپ، ملکا، بنٹیوبہ، منی لا، وغیرہ سے جہاز برابر آتے رہتے ہین جب کوئی تجارتی جہاز پہنچتا ہے، ہندو تاجر جہاز کے اندر آتے ہین، اور اُس کے کپتان سے پوچھتے ہین کہ کیا جہاز کا پورا سامان فروخت کیا جائے گا، اگر اُن کو اثبات مین جواب دیا جاتا ہے تو وہ اس کی قیمت ادا کر دیتے ہین، یا اس کے بدلے دوسرے تجارتی سامان دیتے ہین، یہ سارے معاملات بلا کسی تاخیر کے جلد طے ہو جاتے ہین، اس طرح بیرونی تاجرون کو وہ تمام تجارتی مال مل جاتا ہے جس کی تلاش مین وہ گھر سے نکلتے ہین"،

ست گاؤن کے بارہ مین فریڈرک رقمطراز ہے کہ یہان ہر سال، چاول، ہر رنگ کے کپڑے، شکر، سیاہ مرچ، تیل، اور دوسری دوسری چیزون سے تیس پینتیس جہاز لادے جاتے ہین،

تجارتی شہر

خاص خاص تجارتی شہر یہ تھے، آگرہ، لاہور، احمد آباد، برہان پور، اور سنار گاؤن، فیچ ۱۵۸۵ء مین آگرہ اور فتح پور کے متعلق لکھتا ہے کہ آگرہ اور فتح پور دو بہت بڑے شہر ہین، دونون لندن سے بڑے ہین، اور بہت آباد ہین، آگرہ اور فتح پور کے درمیان بارہ میل کی مسافت ہو لیکن اُن کے بیچ مین مسلسل بازار ہین، جہان خورد و نوش کا سامان اور دوسری اشیا برابر بکتی جاتی ہین، یہ راستے اس طرح معمور رہتے ہین کہ معلوم ہوتا ہو کہ ایک مسلسل قصبہ ہے اور لوگون کی بھیڑ بھاڑ سے پورا راستہ بازار معلوم ہوتا ہو، ٹیری لاہور کے بارہ مین لکھتا ہو کہ یہ پنجاب کا اہم اور بڑا شہر ہے اس کی آبادی اور دولت سے پر ہو، ہندوستان کے اہم تجارتی شہرون مین سے ہو، احمد آباد کے بارہ مین ابوالفضل لکھتا ہے، ایک بڑا خوشحال شہر ہے اس کی آب و ہوا بھی خوشگوار ہے، اور اپنی بہترین صنعتون کے لحاظ سے تمام دنیا مین بے نظیر ہے،

کا ذکر کرتے ہوئے مونسریٹ نے لکھا ہے کہ خاندیس برہان پور کا بہت ہی بڑا دولتمند اور آباد شہر ہے، رالف فچ ۱۵۸۶ء مین سنارگاؤن کے متعلق تحریر کرتا ہے کہ تمام ہندوستان مین یہان سب سے عمدہ اور باریک کپڑا تیار ہوتا ہے، یہان سے سوتی کپڑے باہر جاتے ہین، اور چاول تمام ہندوستان کے علاوہ لنکا، پیگو، ملکا سماترا، اور دوسرے مقامات کو بھیجا جاتا ہے، ست گاؤن کا ذکر کرتے ہوئے فچ لکھتا ہے کہ یہ مسلمانون کا خوبصورت شہر ہے، جہان چیزون کی بڑی فراوانی ہے، یہان بنگال کے اور مقامات کی طرح روزانہ کہین نہ کہین ایک بڑا بازار لگتا ہے، تاجرون کے پاس بڑی بڑی کشتیان ہوتی ہین، اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاکر چاول اور دوسری چیزین خریدتے ہین، اُن کی کشتیون مین چوبیس یا چھبیس وزنی پتوار ہوتے ہین،

صوبجاتی تجارت گجرات، بنگال، لاہور اور ملتان اہم صوبے تھے، گجرات سے آگرہ وہ تمام چیزین آتی تھین جو بیرون ہند سے درآمد کی جاتی تھین، ان چیزون مین جواہرات، مخمل چینی کے ظروف، شراب اور حبشی غلام ہوا کرتے تھے، صوبہ گجرات مین سوتی ریشمی کپڑے اور زردوزی کا کام بھی بہت اچھا بنتا تھا، سینا مین خنجر اور دوسرے اسلحہ بنتے تھے، یہ اشیا بھی آگرہ پہنچا کرتی تھین،

بنگال سے چاول، شکر، سوتی، اور ریشمی کپڑے باہر جایا کرتے تھے، اور شکر ملابار اور دریاے گنگا سے آگرہ بھیجی جاتی تھی،

لاہور اور ملتان شکر، سوتی، کپڑے، کاغذ اور آہنی اسلحہ کی صنعت کے لئے مشہور تھے، آگرہ مین بیانہ مین نیل کی کاشت ہوتی تھی، پٹھان کوٹ کے قریب نورپور مین دواؤن کی جڑی بوٹیان بکثرت ہوتی تھین، کشمیر سے پھل، شراب، شالین، بھانگ اور ریشم وغیرہ برآمد اور سوتی کپڑے، تیل اور نمک درآمد کئے جاتے تھے، افغانستان پھل اور شراب، ریشم، اون، رنگ، اور دوائین، باہر بھیجکر سوتی، کپڑے، نیل اور نمک منگوایا کرتا تھا،

سرحدی تجارت سرحدی تجارت عموماً نیپال، کمایون، بھوٹان، اور برما سے ہوا کرتی تھی، نیپال کی

تجارت کا لین دین پٹنہ مین ہوتا تھا، وہان سے مویشی، سینگ، مشک، جڑی بوٹیان، زنگ، لونگ، خضاب، باز وغیرہ منگائے جاتے تھے، اور ان کے بجائے سوتی کپڑے، نمک، شکر، اور مسالے وغیرہ وہان بھیجے جاتے تھے،

کمایون مین سونے چاندی، لوہے، تانبے، سیسے وغیرہ کی کانین تھین، اس کی اس سرحد پر جو تبت سے ملتی تھی، ہرن، باز، شکرے، گھوڑے، اور شہد بکثرت پایا جاتا تھا، اور موم اور اون بھی دستیاب ہوتا تھا، یہ ان چیزون کو باہر بھیجکر شکر اور سوتی کپڑے منگایا کرتا تھا، کمایون کا لین دین صوبہ دہلی کی سرحد پر ہوتا تھا،

بھوٹان، مشک اور تبتی بیل کی دم باہر بھیجتا تھا، ان پہاڑی علاقون سے تجارتی سامان آدمی کی پیٹھ یا بکرے اور گھوڑے کے ذریعہ روانہ کیا جاتا تھا،

برما، سونا، چاندی، اور قیمتی جواہرات برآمد اور سوتی کپڑے، سوت اور افیون درآمد کرتا تھا، لیکن برما سے تجارتی لین دین، پرتگالی راہزنون کی وجہ سے خاطر خواہ طریقہ پر نہیں ہوسکتا تھا، لیکن ۱۵۹۶ء مین پیگو کی تجارتی اشیا مین سونے، چاندی، لعل، نیلم، اور دوسرے معدنی جواہرات، سیسہ، لاکھ، چاول، شراب، اور شکر کا ذکر آتا ہے،

بیرونی تجارت ہندوستان کی بیرونی تجارت زیادہ تر مغربی ممالک، چین، اور جاپان کے ساتھ تھی، مگر اس کی اجارہ داری پرتگالیون کے ہاتھ مین تھی، البتہ عرب، افریقہ اور ایران کی تجارت ہندوستانیون کے ہاتھون مین تھی، گو کبھی کبھی ان ممالک کی تجارت کے لئے بھی ان کو پرتگالیون سے اجازت لینی پڑتی تھی، ایران سے نقرئی سکے، موتی، شیرازی شراب، عطریات، ریشم، قالین، اور پھل وغیرہ درآمد کئے جاتے تھے، اور وہان سوتی کپڑے، گجراتی لوہا، اور مسالے بھیجے جاتے تھے، ہندوستان اور ایران کے درمیان ہرمز تجارتی مرکز تھا، عرب سے گھوڑے، قہوہ، عطریات، اور دوائین منگوائی جاتی تھین،

اور اُن کے بجائے سوتی کپڑے برآمد کئے جاتے تھے، افریقہ، ہاتھی، دانت، آبنوس، عنبر، غلام اور سونا ہندوستان کو دیتا تھا، اور ہندوستان وہاں سوتی کپڑے، مسالے، اور تسبیح کے دانے بھیجتا تھا، ہندوستان اور افریقہ کے تجارتی مرکز، موزمبیق اور ممباسہ میں تھے،

ہندوستان سے اشیاء کھنبایت، بنگال، کرومنڈل اور دریائے سندھ سے ہوکر باہر بھیجی جاتی تھین، باہر سے ہندوستان آنے والی خاص خاص چیزین یہ تھین، سونا، چاندی، گھوڑے، ریشم، تانبا، ٹن سیسہ جستہ، پارہ، ہاتھی دانت، مونگا، عنبر، جواہرات، ریشمی کپڑے، مخمل، زربفت، مسالے، عطریات، چین کے ظروف، کافور، ادویات، شراب، اور حبشی غلام،

اور ہندوستان سے باہر جانے والی خاص خاص اشیاء یہ تھین، سوتی کپڑے، سیاہ مرچ، لونگ، جائفل، ادرک، دارچینی، ہلدی، زنگ اور افیون،

اگر ہم اس وقت کی ہندوستان کی درآمدی اور برآمدی اشیاء، کی فہرست کا موازنہ کرین تو اندازہ ہوگا کہ اس زمانہ مین کپڑے کے تھان اور شیرینیان درآمد نہین کی جاتی تھین، اسی طرح غلہ، تیل کے بیج، اور سوت برآمد نہین کئے جاتے تھے،

پارہ لسبن اور چین سے آتا تھا، یورپ سے سیسہ منگوایا جاتا تھا، یہان سے مونگا، اونی کپڑے مخمل، شراب، شیشہ اور آئینے بھی آتے نفیس اور عمدہ چیزین پرتگال سے بھی مشرق مین رہتے والے پرتگالیون کے لئے آیا کرتی تھین،

لسبن اور گوآ کے درمیان سرکاری حساب پر تجارت مخصوص رہا کرتی تھی، تجارتی جہازی بیڑے سالانہ لسبن سے ہندوستان آیا کرتے تھے، یہ بیڑے کسی اور مقام پر ٹھہر کر لین دین نہین کرتے تھے بلکہ سیدھے گوآ یا کوچین آتے، اور یہان سامان اتارتے تھے، گوآ سے یہ جہاز میکاؤ (کینٹن کی بندرگاہ) بجا کر سامان فروخت کرتے تھے اور پھر یہان سے تجارتی مال لاد کر جاپان کی طرف بڑھ جاتے، جاپان مین سامان کے

بدلے چاندی حاصل کرتے، پھر اسی چاندی سے میکاؤ مین چین کا سامان خریدتے، جس کو ملکا لیجا کر فروخت کرتے، ملکا مین ہندوستان کے لئے مسالے خریدے جاتے، یہ بحری سفر تین سال مین ختم ہوتا،

یورپ سے تجارت زیادہ تر سیاہ مرچون کے لئے شروع ہوئی، یہ سیاہ مرچ گوشت مین زیادہ استعمال کی جاتی تھی، مالابار مین سیاہ مرچ، مسالے اور ادویات وغیرہ لادی جاتی تھین، اور عدن اور خلیج بنگال کی طرف بھیجی جاتی تھین، اور وہان سے بحر روم کے ساحل کو منتقل ہو جاتین، پھر وہان سے یہ سامان اطالوی تاجر وینس اور جے نوا کی طرف لیجاتے، اور یہان سے بری اور بحری رستون کو انیٹورپ پہنچ جاتا، پھر وہان سے مغرب کے تمام حصون مین تقسیم ہو جاتا، سولھوین صدی کے آخر تک سیاہ مرچ کی تجارت کی اجارہ داری پرتگالیون ہی کے ہاتھون مین تھی، اور ہر سال ایک ہزار سات سو پچاس ٹن سیاہ مرچین پرتگال جایا کرتی تھین، ہندوستانی عام طور سے اپنی چاندی اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے تھے، اس لئے پرتگالی سیاہ مرچون اور مسالون کی خریداری کے لئے چاندی ساتھ لاتے تھے، اس وقت جو مال ہندوستان سے خریدا جاتا، وہ یورپ مین پانچ گنی قیمت مین فروخت ہوتا تھا، ولیم ہاکنس اس وقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہندوستان مین چاندی کی بڑی فراوانی ہے، کیونکہ بیرونی قومین چاندی کے سکّے ساتھ لاتی ہین، اور سامان خریدتی ہین، اور یہ چاندی ہندوستانی دفن کر کے رکھ دیتے ہین، اس طرح وہ بے مصرف ہوکر رہجاتی ہے،

اکبر نے ساہوکاری اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی، اس سے اس کو بڑا منافع حاصل ہوتا تھا، وہ دوسرون کو ساہوکاری کی اجازت دیتا تھا، لیکن اس پر اقتدار اپنا ہی قائم رکھتا تھا، تجارتی منافع حاصل کرنے مین اسکو عار نہ تھا، اس نے گجرات، آگرہ، اور کشمیر کی بعض صنعتی تجارتون سے خاطر خواہ منفعت حاصل کی، ساہوکاری اور صرافہ سے بھی اس نے بڑی دولت پیدا کی، عام قانون یہ تھا کہ کوئی شخص گھوڑا بادشاہ یا اس کے ایجنٹ کی اجازت کے بغیر فروخت نہ کرے، البتہ اکبر نے بیرونی تجارت کو اپنے لئے مخصوص کرنے کی کوشش نہین کی اور نہ اس کو کوئی اہمیت دی، اگر وہ کسی خاص جماعت سے خوش ہوتا، تو شاہی فرامین کے ذریعہ اس کو مراعات دیدیتا،

اگر ناخوش ہو جاتا تو یہ مراعات واپس لے لیتا، بندرگاہون اور شہرون مین بیرونی تاجر اپنی خواہش کے مطابق آباد نہین ہو سکتے تھے، اُن کی آبادی مخصوص رسم و رواج یا معاہدے پر منحصر تھی، اور اس کے لئے کوئی عام قانون نہ تھا،

عہد جہانگیری | جہانگیر کے زمانہ مین تجارت کو اور بھی زیادہ ترقی ہوئی، دور دراز بازارون مین رسائی پیدا ہوتی گئی، نئے نئے بازار معلوم ہوتے گئے، کیونکہ پرتگالیون، ولندیزیون اور انگریزون مین باجرانہ کشمکش شروع ہو گئی تھی، ولندیزی پرتگالیون سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے، انگریزون سے اُن کا تصادم تو نہین تھا، لیکن دونون کے باہمی تعلقات اچھے نہ تھے، ولندیزی زیادہ تر مشرقی ساحل پر تجارت کرتے تھے، اور اُن کے کارخانے پولی کٹ، مسولی پٹم اور دوسرے مقامات مین تھے، اور انگریز مغربی ساحل پر اپنے تجارتی اڈے جما رہے تھے، اور اُن کا صدر مقام سورت تھا، لیکن دونون ایک دوسرے کو شکوک نظرون سے دیکھتے تھے، اور ایک دوسرے کو ہندوستان سے باہر نکالنے کی فکر مین رہتے تھے، لیکن ان دونون کی وجہ سے ہندوستان کی بیرونی تجارت بڑھ گئی تھی، چین اور جاپان مین ہندوستانی اشیاء کی بڑی مانگ تھی، اس عہد مین گوا کی ساحلی تجارت مین بڑی کمی ہو گئی تھی، کیونکہ وہان پرتگالی اثرات کم ہو رہے تھے، پھر جن بحری راستون مین ہندوستانی جہاز چلا کرتے تھے، وہان انگریزون اور ولندیزیون کے جہاز چلنے لگے، جب سے ہرمز پرتگالیون کے قبضہ مین آگیا تھا، ہندوستانی جہاز ایران کم جانے لگے تھے، کیونکہ مسقط مین پرتگالی اُن سے چنگی وصول کیا کرتے تھے، شہزادہ خرم نے بحر احمر کی تجارت ہندوستانیون کے لئے مخصوص کر رکھی تھی، لیکن انگریز اس کی عدول حکمی کر کے اپنے اثرات بڑھانے کی فکر مین لگے ہوئے تھے، اور اُن کے اثرات جہانگیر کے دربار مین بڑھتے گئے،

سر طامس رو نے سلطان پرویز سے برہان پور مین ایک کارخانہ قائم کرنے کے لئے فرمان حاصل کیا، پھر جہانگیر سے معاہدہ کرنے کی بار بار درخواست کی جس مین مغلیہ سلطنت کی ہر بندرگاہ مین

انگریزون کو جانے کی اجازت مانگی، اور اُن کے مال کو معمولی چنگی کے علاوہ تمام محصولات سے مستثنیٰ کرانا چاہا، اور تجارتی سامان کی خرید و فروخت کی آزادی مانگی، کارخانے کو کرایہ پر لینے، کشتیان، اور باربرداری کے چھکڑون کو کرایہ پر حاصل کرنے کی سہولتین چاہین، اور ان مراعات کے بدلے مین بادشاہ کیلئے نادر چیزون کی فراہمی، جنگی اسلحہ سے مدد اور بادشاہ کے دشمن کے خلاف مشترکہ دفاع کا وعدہ کیا، لیکن جہانگیر نے ان سے معاہدہ کرنا اپنی شان کے منافی سمجھا، البتہ ایک فرمان عطا کیا، جس سے وہ آزادانہ طور پر تجارت کر سکتے تھے، وہ جواہرات محصول ادا کئے بغیر لا سکتے تھے، بندرگاہون مین ان کے تجارتی سامان پر چنگی نہین لگائی جا سکتی تھی، وہ کارخانے قائم کرنے کے لئے مکان کرایہ پر لے سکتے تھے، لیکن کوئی مکان خرید نہین سکتے تھے، ان کو اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنے کی عام اجازت تھی، اس فرمان سے انگریزون نے پورا فائدہ اٹھایا، سترہوین صدی کے آغاز مین انھون نے نیل، نفیس سوتی کپڑے، طرح طرح کی چھینٹین، مرم ہلدی اور جواہرات برابر انگلستان بھیجتے رہے، مغربی ساحل سے انگریزون نے ۱۶۲۸ء مین چھ لاکھ روپیہ کا مال برآمد کیا، انگلستان کی خاص خاص چیزین جو اس وقت ہندوستان مین پسند کیجاتی تھین وہ یہ تھین، ہلکے اور خوشنما اور رنگ کے کپڑے، سیماب، سیسہ، ٹین، شنگرف، ہاتھی دانت، ہسرخ، مونگا، لعل، سرخ شراب، ساغر اور آئینے، جہانگیر اور شہزادہ خرم کو نادر چیزین بہت پسند تھین، ان دونون کے پاس جب کوئی تاجر اعلیٰ قسم کے جواہرات یا کوئی نادر چیز لے آتا تو وہ ان کی بڑی سی بڑی قیمت ادا کرتے، انگریزون کے مقابلہ مین پرتگالی، اور ولندیزی نادر چیزون کی فراہمی مین زیادہ مشاق اور باذاق تھے،

اندرونی تجارت | اندرونی تجارت بھی خاطر خواہ تھی، کھانے کی چیزین بڑی سستی تھین، بڑی لکھتا ہے کہ ایک بکرا ایک شلنگ مین مل جاتا تھا، اتنی ہی قیمت مین آٹھ مرغ ملتے تھے، ایک خرگوش کی قیمت ایک پنی تھی، اس سے کم دام مین تین تیتر مل جاتے تھے،

جب جہانگیر نے اپنا صدر مقام لاہور بنایا تو آگرہ کی تجارتی اہمیت کچھ کم ہوگئی، لیکن یہان قالین کی صنعت بدستور قائم رہی، اس کے بڑے بڑے کاریگر اور صناع اپنے جوہر دکھانے کے لئے برابر موجود رہے،

لاہور مین جہانگیر کے زمانہ مین ہر قسم کی ترقی ہوئی، یہان سے بری راستہ کے ذریعہ تجارتی سامان، کابل، قندھار، ایران اور دوسرے ممالک مین بھی بھیجا جاتا تھا، اور آرمینیا اور البو کے تاجر یہان آکر بڑا منافع حاصل کرتے تھے، دریاے راوی کے ذریعہ ٹھٹھہ مال بھیجا جاتا تھا، ملتان زیادہ تر ایران سے تجارتی کاروبار کرتا تھا، اس کی اہم پیداوار افیون، سوتی، کپڑے، گندھک اور شکر وغیرہ تھی، ہندوستان کے بہترین اونٹ ملتان ہی مین ملتے تھے،

جہانگیر کے زمانہ مین بنگال کی زرخیزی کا حال ایک فرانسیسی سیاح اس طرح لکھتا ہے: یہان چاول اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ہر حصہ مین جاتا ہے، بلکہ گوآ، مالابار، سماترا، اور ملکا تک کو غذا اسی خطہ سے پہنچتی ہے، یہان گائے بیل، بھیڑین بھی کثرت سے ملتی ہین، گوشت بہت سستا، دودھ اور مکھن اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ باہر بھیجا جاتا ہے، اونی قالین بھی بڑی کاریگری سے تیار ہوتے ہین، اعلیٰ قسم کے پھل بھی ملتے ہین، روئی بھی بکثرت پیدا ہوتی ہے، اور یہان کے باشندون کے استعمال کے بعد اتنی وافر مقدار بچ جاتی ہے، کہ باہر بھیجی جاتی ہے، یہان کے باشندے اتنے عمدہ کپڑے تیار کرتے ہین کہ تمام ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اُن کی مانگ رہتی ہے، یہان طرح طرح کے رنگین ریشمی کپڑے بھی تیار ہوتے ہین، اور دونون کپڑے اتنے باریک ہوتے ہین کہ جب کوئی اُن کو پہنتا ہے تو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کپڑے پہنے ہوئے ہے یا نہین، فرنیچر اور بعض خاص قسم کے ظروف بھی یہان بنتے ہین بعض ظروف تو چین کے ظروف سے بالکل مشابہ ہوتے ہین،

سر طامس رو ۱۶۱۶ء مین لکھتا ہے کہ کوئی وجہ نہین کہ بنگال غریب رہے، کیونکہ یہ تمام ملک کو گیہون چاول اور شکر مہیا کرتا ہے اور باریک کپڑے مشک، عنبر اور دوسری نفیس اور نادر چیزین

یورپ کو بھیجتا ہے،

اس زمانہ مین پٹنہ مین ایک ہزار سے دو ہزار من تک ریشم پیدا ہوتا تھا، جو گجرات اور آگرہ بھیجا جاتا تھا، ململ کے کپڑے بھی تیار ہوتے تھے، اور افیون کی بھی پیداوار تھی، یہان کی بنی ہوئی ڈھالون کی بڑی شہرت تھی، یہان سے تجارتی سامان نیپال، بھوٹان اور تبت جایا کرتا تھا،

اس زمانہ مین احمدآباد کی اہمیت بڑھ گئی تھی، رنگ سازی، زردوزی، اور کشیدہ کاری کے علاوہ عمدہ چھوٹے ٹکس، زربفت، رنگین پگڑیان، کمربند، جامہ دار، مخمل، کمخواب بہت ہی اعلیٰ قسم کے تیار ہوتے تھے، اور یہان کے کاریگر ترکی، یورپ اور ایران کے عمدہ کپڑون کی نقالی کر لیتے تھے، دھوتیان اتنی اچھی تیار ہوتی تھین کہ مختلف مقامات پر تحفے کے طور پر بھیجی جاتی تھین، تلوار، جمدھر اور کھیدہ بھی اچھے بنتے تھے، قیمتی جواہرات کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی، ترکی اور عراق سے چاندی اور سونے کی درآمد جاری تھی،

برہان پور بھی ایک تجارتی شہر ہوگیا تھا، وہ آگرہ سے دکن کے راستہ پر تھا، اس لئے یہان تجارت کو بڑا فروغ ہوا، انگریزون نے یہان ایک کارخانہ قائم کیا، پھر وہ ان کے تجارتی سامان، اونی کپڑے سیسہ، ٹین، پارہ، ساٹن اور مخمل وغیرہ کا اہم بازار بن گیا، یہ بہت بڑا فوجی ناکہ بھی تھا، اس لئے اس کا نظم و نسق بھی اچھا تھا، اور یہان چیزون کی بڑی فراوانی تھی، ایک انگریز سیاح اور تاجر لکھتا ہے، یہان سے بہتر حکومت کہین اور نہین دیکھی، چیزون کی بہتات ہے، عمدہ ریشمی کپڑون اور زربفت سے شہر بھرا ہوا ہے، یہان سے ہندوستان کے ہر حصہ مین تجارت ہوتی ہے،

"ص، ع"

آثار علمیہ و ادبیہ

مکاتیب اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(۳۵)

مخدومی! السلام علیکم

میں نے کل ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا،

تخصیص و تعمیم احکام کا جہاں تک تعلق ہے، اس خط کے جواب کی زحمت گوارا نہ فرمائیے، کیونکہ قاضی شوکانی کی ارشاد الفحول سے اس کا حال مجھے معلوم ہو گیا ہے، البتہ باقی حصہ خط کا جواب ضرور عنایت فرمائیے، علامہ آمدی کی کتاب جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہاں نہیں ہے، انشاء اللہ سرما میں یونیورسٹی کے لئے ایک کاپی منگوانے کی کوشش کروں گا، پنجاب میں ایک صاحب نے حال میں قرآن کی تفسیر شائع کی ہے جس کا نام تذکرہ[1] ہے، کیا آپ کی نظر سے گذری ہے؟ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ریویو مفصل آپ کے قلم سے نکلے، امید کہ مزاج بخیر ہوگا،

والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۲۴ء

[1] مشرقی صاحب کا تذکرہ

(۳۶)

لاہور

۵ ستمبر ۱۹۲۴ء

مخدومی! السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے مضمون سے بہت تسکین ہوئی،

انجمن حمایت اسلام کا صدر مجھے منتخب کیا گیا تھا، مگر میں نے بعض وجوہ سے استعفا دے دیا ہے، کونسل میں اختلاف ہے اور عام حالت اس انجمن کی اچھی نہیں ہے، بعض ارکان ذاتی اغراض سے اس میں داخل ہیں، اور اُن کے نزدیک انجمن ان اغراض کے حصول کا ذریعہ ہے اور بس، اس وقت وہی جماعت جلسہ کی تیاریاں کر رہی ہے، اگر آپ ضرور تشریف لائیے، یہاں کے لوگوں کو ختم نبوت کے مسئلے میں بڑی دلچسپی ہے، اور آپ کی تقریر انشاء اللہ بہت توجہ سے سُنی جائے گی، اس کے علاوہ میں ایک مدت سے آپ کی ملاقات کا اشتیاق رکھتا ہوں، میرے ہی غریب خانہ پر ٹھہرئیے، یہاں سے انجمن کا جلسہ گاہ کچھ دور نہیں، موٹر پر چند منٹوں کی راہ ہے،

جناب مشرقی امرتسر کے رہنے والے ہیں، نوجوان آدمی ہیں، کیمبرج میں ریاضی کا اعلیٰ امتحان پاس کیا، ہندوستان واپس آئے تو کچھ مدت کے لئے پشاور کالج کے پرنسپل رہے، اس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ تعلیم میں رہے، آج کل غالباً کسی سرکاری اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں، مجھے اُن کی قابلیت کا حال زیادہ معلوم نہیں، مگر اس کتاب کے ریویو سے جو کچھ معلوم ہوا، وہ یہ ہے کہ مغربی افکار پر بھی اُن کی نظر نہایت سطحی ہے، باقی تفسیر قرآن و تاریخ اسلام کے متعلق آپ مجھ سے بہتر اندازہ کر سکتے ہیں، اُن کی کتاب کے متعلق یہاں عجیب و غریب افواہیں ہیں، زبانی عرض کروں گا،

زمیندار میں تذکرہ ایک ریویو مفصل شائع ہوا ہے، جو مصنف نے محنت و کاوش سے لکھا ہے، مگر سید سلیمان ندوی کی اسٹائل اور وسعتِ نظر اس کو حاصل نہیں، مجھے تذکرہ کا علم اسی ریویو سے ہوا،

جناب مشرقی جہان تک مجھے معلوم ہے خود مدعی نہیں ہیں امت مسلمہ سے ممکن ہے کہ ان کا تعلق ہو کیونکہ آج کل امت مسلمہ کا سنٹر امرتسر ہے، بہائی فرقہ سے بھی جہان تک مجھے معلوم ہے، ان کا تعلق نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ یورپ میں افکار کی تاریخ کا اعادہ آج کل دنیائے اسلام میں ہو رہا ہے، ان حالات میں جو اس وقت کیفیت آپ کے قلب کی ہے، وہ ایک حد تک نیچرل امر ہے، مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو کام کر رہے ہیں وہ امت مسلمہ کے لئے از بس مفید ہے، دنیائے اسلام اس وقت ایک روحانی پیکار میں مصروف ہے، اس پیکار و انقلاب کا رخ متعین کرنے والے قلوب و اذہان پر شک و ناامیدی کی حالت کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ کا قلب قوی ہے اور ذہن ہمہ گیر، آپ اس حالت سے جلد نکل جائیں گے، یا صوفیہ کی اصطلاح میں یوں کہئے کہ اس مقام کو جلد طے کر لیں گے، آپ قلندر ہیں، مگر وہ قلندر جس کی نسبت اقبال نے یہ کہا ہے:

قلندران کہ براہ تو خرقہ می پوشند — زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند — بخلوت اند و زمان و مکان در آغوشند
درین جہان کہ جمال تو جلوہ ہا دارد — ز فرق تا بہ قدم دیدہ و دل و گوشند
بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر — بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند

آپ اس جماعت کے پیش خیمہ ہیں، اس جماعت کا دنیا میں عنقریب پیدا ہونا قطعی اور یقینی ہے، جس راہ پر آپ اس سے پہلے قدم زن تھے[۱] اس کے متعلق انشاء اللہ بوقت ملاقات گفتگو ہو گی، ہندوستانی نیشنلزم کی انتہا پسندی بھی جناب کے مشاہدہ میں آگئی،

امید کہ مزاج بخیر ہو گا، یہ خط بستر پر لیٹے لیٹے لکھا ہے، آج طبیعت بہت مضمحل ہے، بدخطی معاف فرمائیگا،

مخلص محمد اقبال

۱؎ اشارہ کانگریس کی طرف ہے،

(۳۷)

مخدومی! السلام علیکم۔

آپ نے کسی گذشتہ خط میں مجھے لکھا تھا کہ حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ بعض دفعہ وحی کا انتظار فرماتے، اگر وحی نازل ہوتی تو اس کے مطابق مسائل کا جواب دیتے، اور اگر وحی کا نزول نہ ہوتا تو قرآن شریف کی کسی آیت سے استدلال فرماتے، اور جواب کے ساتھ وہ آیت بھی پڑھ دیتے، اس کا حوالہ کونسی کتاب میں ملے گا؟ کیا یہ قاضی شوکانی کی کتاب ارشاد الفحول سے آپ نے لیا ہے[۱]

دوسرا امر جو اس کے متعلق دریافت طلب ہے، یہ ہے کہ جو جواب وحی کی بنا پر دیا گیا، وہ تمام امت پر حجت ہے، (اور وہ وحی بھی قرآن شریف میں داخل ہو گی) لیکن جو جواب محض استدلال کی بنا پر دیا گیا، جس میں وحی کو دخل نہیں، کیا وہ بھی تمام امت پر حجت ہے[۲]؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضورؐ کے تمام استدلالات بھی وحی میں داخل ہیں[۳]، یا بالفاظ دیگر یہ کہ قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں[۴]، جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیے،

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۶؍ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۳۸)

لاہور

۱۸؍ مارچ ۱۹۳۶ء

مخدومی! السلام علیکم۔

اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے، اس مبحث

۱؎ اس کا ذکر کتب احادیث میں ہے ۲؎ بے شبہ ۳؎ وحی خفی میں داخل ہیں ۴؎ جی نہیں دونوں میں بہت

مصر مین ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی، جو میری نظر سے گذری ہے، مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے، اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے، مصنف نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے، اگر مولانا شبلی ؒ زندہ ہوتے تو مین اُن سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا، موجودہ صورت مین سوائے آپکے اس کام کو کون کرے گا، مین نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا، مگر چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہین، اس واسطے اس کو اب تک شائع نہین کیا، آپ کو یاد ہوگا، مین نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا، مسلمانون پر اس وقت (دماغی اعتبار سے) وہی زمانہ آرہا ہے جس کی ابتدا یورپ کی تاریخ مین لوتھر کے عہد سے ہوئی مگر چونکہ اسلامی تحریک کی کوئی خاص شخصیت راہنما نہین ہے، اس واسطے اس تحریک کا مستقبل خطرات سے خالی نہین، نہ عامۃ المسلمین کو یہ معلوم ہے کہ اصلاح لوتھر نے مسیحیت کے لئے کیا کیا نتائج پیدا کئے، ہندوستان کی جمعیۃ العلماء کی توجہ اس طرف ضروری ہے، آپ چونکہ اس جمعیت کے صدر ہین، اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ اس کام کو مستقل طور سے اپنے ہاتھ مین لے لیجئے، ندوہ کے دیگر ارکان یا فارغ التحصیل طلبہ کو بھی اپنے ساتھ ملائیے، تاکہ اقوام اسلامیہ کو فقہ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو، مین نے سنا ہے کہ البانیہ کے مسلمانون نے وضو اُٹھا دیا[51] اور ممکن ہے نماز مین بھی کوئی ترمیم کی ہو، ٹرکی کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہے[52] مصر مین یہ تحریک جاری ہے[53]، اور عنقریب ایران اور افغانستان مین بھی اس کا ظہور ہوگا، ایران کو بابیت سے اندیشہ ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اسمٰعیلی تحریک کہین پھر زندہ نہ ہو جائے، ایک قدیم اسلامی اصطلاح ہے "صوت الحق"، شاید اس کا مفہوم قبیلہ کی آواز ہے، کیونکہ اس وقت دنیائے اسلام مین کوئی خاص مذہبی شخصیت نہین جو طبائع کے اس انقلاب کو ٹھیک راستہ پر لگائے، غرضکہ اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۹) فرق ہے، قرآن پاک بالفاظہ وحی ہے، اور متواتر منقول ہے، اور یہ حدیثین، وحی سے معنی ماخوذ ہین، اور متواتر منقول نہین [51] یہ خبر غلط تھی [52] ٹرکی مین نماز مین کوئی تغیر نہین ہوا [53] یہ خبر بھی بے اصل ہے،

کو راہنمائی کی سخت ضرورت ہے، اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علماء اس کام کو باحسن وجوہ انجام دے سکتے ہین، سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوام اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہین دے سکتے، ہان دماغی اعتبار سے ان کے لئے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے،

دیگر امر دریافت طلب یہ ہے کہ آیا توریت مین حصص بھی ازلی ابدی ہین[1]، یا قاعدہ کہ توریت مین جو اصول مقرر ہے، صرف وہی ناقابل تبدیل ہے، اور حصص مین حالات کے مطابق تبدیلی ہو سکتی ہے[2]، آیۂ وصیت پر بھی جو ارشادات ہین، میری سمجھ مین نہین آئے، اس زحمت کے لئے معافی چاہتا ہون، جب فرصت ملے جزئیات سے بھی آگاہ فرمائیے، اس احسان کے لئے ہمیشہ شکر گذار رہون گا، بعض خیالات زمانۂ حال کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کا نتیجہ ہیں، ان کے ادا کرنے کے لئے قدیم فارسی اسلوب بیان سے مدد نہین ملتی، بعض تاثرات کے اظہار کے لئے الفاظ ہاتھ نہین آتے، اس واسطے مجبوراً ترکیب اختراع کرنی پڑتی ہے، جو ضرور ہے کہ اہل زبان کو ناگوار ہو، کہ دل و دماغ اس سے مانوس نہین ہین، بعض اشعار کے لکھنے مین تو مجھے اس قدر روحانی تکلیف ہوئی کہ الفاظ مین بیان نہین ہو سکتی، تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، کاش چند روز کے لئے آپ سے ملاقات ہوتی، اور آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا،

امید کہ مزاج بخیر ہوگا،

آپ کا مخلص محمد اقبال

(۳۹)

لاہور - ۷ اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہین، اور یہ آخری خط بھی جو نہایت معنی خیز ہے، اور

[1] بیشک [2] کوئی تبدیلی نہین ہو سکتی،

جس کے مضمون سے مجھے بحیثیت مجموعی پورا اتفاق ہے محفوظ رہے گا، عبادات کے متعلق کوئی ترمیم و تنسیخ
میرے پیش نظر نہین ہے، بلکہ مین نے اپنے مضمون اجتہاد مین اُن کی ازلیت و ابدیت پر دلائل قائم کرنے
کی کوشش کی ہے، ہان معاملات کے متعلق بعض سوالات دل مین پیدا ہوتے ہین، اس ضمن مین چونکہ شرعیت
احادیث (یعنی وہ احادیث جن کا تعلق معاملات سے ہے) کا مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے، اور ابھی تک میرا
دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہین ہوا، اس واسطے وہ مضمون شائع نہین کیا گیا، میرا مقصود یہ ہے کہ
زمانۂ حال کے جورس پروڈنس کی روشنی مین اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے، مگر غلامانہ انداز مین نہین
بلکہ ناقدانہ انداز مین، اس سے پہلے مسلمانون نے عقائد کے متعلق ایسا ہی کیا ہے، یونان کا فلسفہ ایک زمانہ
مین انسانی علوم کی انتہا تصور کیا گیا، مگر مسلمانون مین تنقید کا مادہ پیدا ہوا، تو انھون نے اسی فلسفہ کے
ہتھیارون سے اس کا مقابلہ کیا، اس عصر مین معاملات کے متعلق بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے، قاعدۂ
میراث کے حصص کے متعلق مین نے مضمون اجتہاد مین یہی طریق اختیار کیا ہے، اور یہ ثابت کرنے کی
کوشش کی ہے کہ لڑکی کو لڑکے سے آدھا حصہ ملنا عین انصاف ہے، مساوی حصہ ملنے سے انصاف قائم
نہین رہتا، بحث کا محرک ترکی شاعر ضیا بک کی بعض تحریرین تھیں، جن مین وہ اسلامی طلاق اور میراث
کا ذکر کرتا ہے، مین نے جو حصص کے متعلق آپ سے دریافت کیا تھا اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ مین ان حصص
مین ترمیم چاہتا ہون، بلکہ خیال یہ تھا کہ شاید ان حصص کی ازلیت و ابدیت پر آپ کوئی روشنی ڈالین گے، میرے
نزدیک اقوام کی زندگی مین قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے، جیسا کہ "جدید" بلکہ میرا ذاتی میلان قدیم کی
طرف ہے مگر مین دیکھتا ہون کہ اسلامی ممالک مین عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونون طبقے علوم اسلامیہ سے
بے خبر ہین، اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح مین یورپ کے "معنوی استیلاء" کا اندیشہ ہے جس کا سد باب
ضروری ہے، میرا ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالک اسلامیہ
کی ہم کوئی مدد نہین کر سکتے، دماغی اعتبار سے اُن کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہین، کیا عجیب ہے کہ اسلامی ہند کی

آیندہ نسلون کی نگاہون مین ندوہ، علی گڈھ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو، آپ کے خط کے آخری حصہ
سے ایک اور سوال میرے دل مین پیدا ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ قرآن کی کسی مقرر
کردہ حد (مثلاً سرقہ کی حد) کو ترک کردے[1]، اور اس کی جگہ کوئی اور حد مقرر کر دے، اور اس اختیار
کی بنا کونسی آیت قرآنی ہے؟ حضرت عمرؓ نے طلاق کے متعلق جو مجلس[2] قائم کی ہے، اس کا اختیار ان کو شرعاً
حاصل تھا[3]، مین اس اختیار کی اساس معلوم کرنا چاہتا ہون، زمانہ حال کی زبان سے یون کہیئے کہ آیا اسلامی
کانسٹی ٹیوشن ان کو ایسا اختیار دیتی تھی؟ امام ایک شخص واحد ہے، یا جماعت بھی امام کے قائم مقام ہو سکتی
ہے اور اسلامی ملک کے لئے اپنا امام ہو یا تمام اسلامی دنیا کے لئے ایک واحد امام ہو، مؤخر الذکر صورت
موجودہ فرق اسلامیہ کی موجودگی مین کیونکر بروے کار آسکتی ہے؟ مہربانی کر کے ان سوالات پر روشنی ڈالیئے،
لقب امام سے بہت سی مشکلات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کو وہ اختیارات شرعاً حاصل ہون جن کا
اشارہ آپ نے کیا ہے[4]

---

[1] ترک کر دے کا لفظ صحیح نہین، ملتوی کر دے صحیح ہے، جیسے میدان جنگ مین اسلامی فوج دار الحرب مین یا دار الحرب سے قریب ہو تو حدود بمصالح ملتوی کر دیئے جاتے ہین، [2] میری عبارت کے سمجھنے مین یا اقبال نے خود اپنے مطلب کی تعبیر مین غلطی کی ہے، حضرت عمرؓ سے پہلے ایک مجلس یعنی ایک ہی نشست مین تین طلاقون کو ایک قرار دیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو تین قرار دیا، بات یہ تھی [3] حنفیہ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم معلوم تھا جس کی اشاعت عہد اول مین نہین ہو سکتی تھی، اور حضرت عمرؓ نے اپنے عہد مین کی، حافظ ابن قیم کہتے ہین کہ حضرت عمرؓ نے تعزیرًا ایسا کیا تھا، اور امام کو تعزیرًا ایسا کرنے کا اختیار ہے،

[4] مین نے ان کو لکھا تھا کہ مسائل فقہیہ میں ترجیح اور بعض جزئی التوا یا اجراے تعزیر مفتیون کا نہین بلکہ امام کا حق ہے،

ترجمہ جو آپنے ارسال کیا ہے، افسوس ہے کہ وہ معارف کے قابل نہین ہے، مین نے یہ مضمون ان طلبہ کے لئے لکھا تھا جو اضافیت سے کسی قدر آشنا تھے، اس واسطے مختصر لکھا، مفصل لکھنے کے لئے نہ وقت تھا نہ ضرورت، غالبًا ایسے ریڈر کو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، جو فلسفہ کے بعض مسائل اور نظریۂ اضافیت سے آشنا نہین ہے، بہرحال مین نے ایک صاحب سے کہا ہے کہ وہ اس کا اردو ترجمہ معارف کے لئے کرین، وہ ترجمہ کرین گے، پھر مین اُسے دیکھ کر آپ کی خدمت مین ارسال کردن گا، جامعہ کا ترجمہ میری نظر سے نہین گذرا، قادیانیون نے بھی ایک ترجمہ اس مضمون کا کیا تھا، مگر وہ بھی غلط تھا،

امید کہ مزاج بخیر ہوگا، خدا تعالی آپ کو اطمینان عطا فرمائے کہ آپ کا اطمینان اور خانگی پریشانیون سے آزادی ہم سب کیلئے ازبس ضروری ہے،

مخلص محمد اقبال (باقی)

محمد علی

ذاتی ڈائری کے چند ورق

(حصہ اول)

رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کے سوانح وحالات وواقعات زندگی جو صاحب تفسیر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق کے ذاتی مشاہدہ وتجربہ مین آئے، اس مین اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، عرصہ ہوا اس کا ایک اڈیشن ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد سے شائع ہوا تھا، لیکن وہ بہت مختصر بلکہ تشنہ تھا، اب مزید اضافون اور ترمیم کے ساتھ یہ نیا اڈیشن شائع ہوا ہے، اسکی دو جلدین کردی گئی ہین، یہ جلد ۱۹۲۶ء تک کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے، مولانا محمد علی کیا کچھ تھے اسکی صحیح تصویر آپ کو اس کتاب مین نظر آسکتی ہے،

قیمت :- ۳ روپے

اس کی دوسری جلد اتنی ہی ضخامت کی زیر طبع ہے،

"منیجر"

ادبیات

غزل

از جناب سید اختر علی صاحب تلہری

کہین نغمے کہین آہ و فغان ہے ❊ میرے مالک یہی تیرا جہان ہے

نہین جب رنگ و بو کا ذوق دل مین ❊ بہارِ جاودان ہو تو خزان ہے

دماغ و دل کی بے کیفی کا یہ دور ❊ سہارا تیرا مرگِ ناگہان ہے

نہ پوچھو مجھ سے روداد نشیمن ❊ تہ و بالا نظامِ گلستان ہے

ابھی ہے عشق کی منزل بہت دور ❊ ابھی تو قیدِ سود و زیان ہے

کبھی آندھی کبھی باران کبھی برق ❊ حوادث کا نشیمن آشیان ہے

خبر ہے کچھ تجھے اے جانِ عشوہ ❊ تری جانب نگاہِ دو جہان ہے

چمن بند تصور ہاے رنگین ❊ ترے نغمون سے دنیا بدگمان ہے

ذرا سنبھلے ہوے اے ذوقِ سجدہ ❊ شہیدِ عشق کا یہ آستان ہے

نہ وہ گل ہین نہ وہ مرغ چمن زاد ❊ کہان پہلا سا اپنا گلستان ہے

ہو کیون سہمے ہوے تم ہم صفیرو ❊ بہارِ نو کا سرچشمہ خزان ہے

فرشتے ہون تو ہون اے میرے معبود ❊ حرم مین دیر مین انسان کہان ہے

ابھی ہے فکرِ نظمِ دیر و کعبہ ❊ ابھی سینے مین اپنے دل تپان ہے

ہے دنیائے محبت زلزلے میں | یہ کس شوریدہ سر کی داستان ہے
ترے شام و سحر کیا خاک بدلیں | تو اب تک شکوہ سنجِ آسمان ہے

جھکا دے جو سرِ پندارِ شاہی
وہ تیرا عزم اے اختر کہان ہے

غزل

از

جناب شفیق جونپوری

چشم کافر کیا قیامت ہو گئی | ہر سیہ کاری عبادت ہو گئی
آنسوؤن سے غم کی زینت ہو گئی | رو لئے تو دل کو راحت ہو گئی
تم نے چہرے سے ہٹا دی جب نقاب | ساری دنیا رنگ و نکہت ہو گئی
جب سے پابند رضائے یار ہون، | ہر تمنا بے حقیقت ہو گئی
اُس نے ہنس ہنس کر خطائین بخشدین | ہم گنہگارون کو حیرت ہو گئی
کس نے دی میرے جنون کی داد آج | شانِ رسوائی کی عزت ہو گئی
میری بربادی کا افسانہ نہ پوچھ | تیری نظرون کی عنایت ہو گئی
جب سے میرا آشیانہ لُٹ گیا | شاخِ گل بے قدر و قیمت ہو گئی
کیا رہا باقی چمن مین میرے بعد | نکہتِ گل بے قدر و قیمت ہو گئی
میرے دم تک تھی چمن کی روشنی | چشم نرگس بے بصیرت ہو گئی

میکدہ تو میکدہ ہے اے شفیق
خانقاہون سے بھی نفرت ہو گئی

مطبوعاتِ جدیدہ

معارف الحدیث (جلد اول) از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۰ صفحات کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت:- للعہ غیر مجلد ۱۲ر، پتہ:- کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ، لکھنؤ،

اردو مین احادیثِ نبوی کے مجموعون کی کمی نہین ہے، بلکہ متعدد کتب حدیث کے ترجمے موجود ہین، مگر نئی ضروریات کے لئے یہ کتابین ناکافی ہین، اور حدیث کے ایک ایسے مجموعے کی بڑی ضرورت تھی، جو اس زمانہ کے حالات و ضروریات اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی دینی و علمی طلب اور اس کے ذوق و رجحان کو پیش نظر رکھکر مرتب کیا جائے، معارف الحدیث اسی مقصد کے لئے تالیف کی گئی ہے، اس کے کئی حصے ہون گے، پہلا حصہ کتاب الایمان، ایمانیات سے متعلق ان حدیثون پر مشتمل ہے، جن مین ایمان کے اجزا، اور اُس کے لوازم و شرائط بتلائے گئے ہین، اس مین حشر و نشر، حساب و کتاب، اور جنت و دوزخ یعنی یوم آخرت سے متعلق حدیثون کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، گو براہِ راست ان کا تعلق ایمان کی تعلیم سے نہین ہے، مگر یوم آخرت کا عقیدہ ایمان کا رکن ہے، اس لئے اس حیثیت سے وہ بھی ایمانیات مین شامل ہے، معارف الحدیث کی تمام حدیثین معتبر اور مستند کتابون خصوصاً مشکوٰۃ سے لی گئی ہین، حدیث کے متن کے ساتھ اس کا سلیس اردو مین ترجمہ اور ضروری تشریح کی گئی ہے، اور اس سے متعلق فوائد و نکات بھی بیان کر دئے گئے ہین، اس حیثیت سے یہ کتاب تنہا حدیثون کا مجموعہ نہین، بلکہ اسلام کے ضروری عقائد و تعلیمات کا نصاب ہے، اور ان احادیث کی ایسی دلنشین تشریح کی گئی ہے، کہ تنہا مومنین ہی نہین، بلکہ سلیم الفطرت عقلاء و مفکرین کی تشفی کے لئے بھی بالکل کافی ہے، کتاب کے شروع مین مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کے قلم سے احادیث نبوی کی دینی اہمیت، اور اس کی حجیت پر مبسوط و محققانہ مقدمہ ہے، جس مین کتاب اللہ اور احادیثِ نبوی کی روشنی مین ثابت کیا گیا ہے، کہ قرآن ہی کی طرح احادیثِ نبوی بھی حجت ہین، اور ان کے بغیر خود قرآن کے بہت سے احکام نہین سمجھے جا سکتے، ورنہ اسلام کی تکمیل ہو سکتی ہے، یہ مقدمہ اپنے فائدہ کے لحاظ سے بجائے خود

ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے، اور منکرین حدیث کا بڑا شافی اور مدلل جواب ہی، جناب مؤلف نے یہ کتاب مرتب کرکے ایک بڑی مفید دینی خدمت انجام دی ہے، اور وہ تعلیمیافتہ مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے،

اکبر نامہ از جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۸۳ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ے پتہ (۱) انوار بک ڈپو لکھنؤ، و (۲) مبارک بک ڈپو بندر روڈ مقابل ٹوینیوہال کراچی نمبر ۲،

اکبر الٰہ آبادی مرحوم دراصل ایک حکیم عارف اور مصلح اخلاق شاعر تھے، اصلاح کی تلخیون کو گوارا اور اپنی تعلیم و تبلیغ کو مؤثر اور دلکش بنانے کے لئے ظرافت کا پیرایہ اختیار کیا تھا کہ

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو — بنتی نہین ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

چنانچہ اُن کی کوئی ظرافت بھی کسی حکمت یا ادبی لطافت سے خالی نہین ہوتی، وہ اپنے زمانہ مین مغربی تہذیب کی لائی ہوئی برائیون کے سب سے بڑے ناقد اور مصلح تھے، اس کا کوئی پہلو اُن کی نگاہ سے مخفی نہ تھا، اور اسکی ہر گز در رگ پر انھون نے نشتر زنی کی ہے، اور اُس کے عیوب پر متنبہ کیا ہے، وہ اس کی بعض خوبیون کے بھی معترف تھے، اور اس کی تقلید کی ترغیب دی ہے، مگر وہ مغربی تہذیب کے بڑے حصہ کو مشرقی مزاج کے خلاف اور اس کے لئے مضر سمجھتے تھے، مغربی تہذیب ہی نہین، بلکہ ہندوستان کی سیاست پر بھی ان کی نظر بڑی حکیمانہ اور دور رس تھی، چنانچہ ان کے اس زمانہ کے بہت سے خیالات آج واقعہ بن کر سامنے آرہے ہین، اُن کی شاعری کی روح کو سمجھنے کے لئے انہی کی جیسی حکیمانہ نظر کی ضرورت ہے، اس دور مین اس کے عارف اکبر مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی ہین، اُن کو اکبر سے دیرینہ عقیدت ہے، ان کی صحبت مین بیٹھے ہوے، اُن کے افکار و خیالات سے مستفید ہونے کا بھی اُن کو موقع ملا ہے، اس لئے وہ اُن کے کلام کے سب سے بڑے مفسر و ترجمان ہین، اور انھون نے مختلف زبانون مین اکبر کی شخصیت اور اُن کے کلام کے مختلف پہلوؤن پر بہت سے مضامین لکھے، اکبر نامہ اُن کے ۱۳ مضامین کا مجموعہ ہے، اس مین بڑی ژرف نگاہی اور نکتہ سنجی

سے اکبر کی شاعری کا تجزیہ کرکے اس کی اصلاحی حیثیت اور اس کی ادبی و شاعرانہ لطافتون کو اس طرح دکھایا گیا ہو کہ اُن کی روح اور انکے ادبی محاسن بالکل آئینہ ہوجاتے ہین مولانا کی کوئی تحریر بھی لطف و لطافت سخن سے خالی نہین ہوتی خصوصاً ادبی مضامین مین انکے قلم کی دلآویزی اور زیادہ نمایان ہوجاتی ہے اسلئے اکبر کی شاعری سے قطع نظر بھی ادبی حیثیت سے یہ مضامین اردو ادب عالیہ کا درجہ رکھتے ہین، اور ان کے لطف کا اندازہ مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، مگر یہ مضامین مختلف زبانون مین لکھے گئے ہین، اور ان سب کا دائرہ ایک ہی ہے، اس لئے خیالات اور واقعات مین کہین کہین تکرار ہوگئی ہے، مگر اس مین بھی قند مکرر کا لطف ہے،

علوم عرب غیر مسلمون کی نظر مین مؤلفہ جناب مولانا عبد الباطن صاحب جونپوری تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۴ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ،

پتہ:۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی،

مسلمانون نے اپنے دور عروج مین تمام مفید علوم کو خواہ وہ کسی قوم کے ہون اپنا کر ان سے فائدہ اٹھایا، اور اُن کو ترقی دی، فلسفہ، منطق، طبعیات، طب، ہیئت، ہندسہ، ریاضی نباتیات وغیرہ، مین نئے نئے اکتشافات تحقیقات اور اضافے کئے، اور بہت سی ایسی چیزین ایجاد کین، جو موجودہ ترقی کی بنیاد ہین، مسلمانون ہی کے ذریعہ علم کی روشنی یورپ مین پھیلی، اور وہ تہذیب و شائستگی سے آشنا ہوا، مسلمان علما کی کتابون کے لاطینی ترجمے صدیون تک یورپ کی یونیورسٹیون کے نصاب مین داخل رہے، اگر اندلس اور سسلی کے مسلمانون کے ذریعہ علم کی روشنی یورپ نہ پہنچی ہوتی، اور اہل یورپ نے جنگ صلیبی کے زمانہ مین مسلمانون سے اخلاق و تہذیب و شائستگی کا سبق نہ سیکھا ہوتا، تو موجودہ ترقی کا کہین وجود نہ ہوتا، اور یورپ شاید اب تک جہالت کی تاریکی مین پڑا رہتا مسلمانون کے ان علمی کمالات اور یورپ پر اس کے علمی و تمدنی احسانات کا اعتراف وہان کے تمام بڑے بڑے علما و مصنفین نے کیا ہے، اور اس پر مستقل کتابین لکھی ہین، لائق مرتب نے مذکورہ بالا کتاب مین ان اعترافات کو جمع کر دیا ہے، اور انھین کے قلم سے مسلمانون کے علمی خدمات اور علم و تمدن کی مختلف

شاخون مین اُن کی ترقیون اوراُن کے ایجادات و اکتشافات کی تفصیل نقل کی ہے جس سے مسلمانون کے عہدِ عروج مین اُن کی ترقی اور اُن کے علمی خدمات کا اجمالی اندازہ ہوجاتا ہے،

مشاہیر اُمت (از مولانا محمد طیب صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۰۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ: ادارہ تاج المعارف دیوبند،

اسلامی تاریخ مین اسلامی علوم کے ہزارون ائمہ پیدا ہوئے اگران سب کے حالات لکھے جائین تو بڑی ضخیم جلدین تیار ہوجائین گی، اس لئے فاضل مؤلف نے اس کتابچہ مین صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اور اس کے بعد کے زمانون کے مختلف اسلامی علوم کے ایک ایک امام کا مختصر تذکرہ قلمبند کیا ہے، اور ہر امام کی فنی خصوصیت کی مدح مین اپنا ایک ایک عربی شعر لکھا ہے، یہ حالات اتنے مختصر ہین کہ اُن کو تذکرہ کے بجائے تعارف کہنا زیادہ موزون ہوگا، اور ائمہ کی کثرت کے مقابلہ مین چند ائمہ کے یہ حالات گویا نمونہ از خروارے ہین، تاہم اجمالی اندازہ کے لئے یہ کتاب مفید ہے،

تقویم ہجری و عیسوی، مرتبہ جناب ابو نصر محمد خالدی صاحب ایم اے تقطیع بڑی، ضخامت ۰۰ صفحات کاغذ، کتابت و طباعت معمولی قیمت عہ، پتہ: انجمن ترقی اردو پاکستان اردو روڈ کراچی،

یہ انجمن ترقی اردو کی پرانی کتاب ہے، اب اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس مین سنہ ۱ھ مطابق ۶۲۲ء تا ۱۵۰۰ھ مطابق ۲۰۷۶ء تک عیسوی اور ہجری سنون کی مطابقت کا نقشہ ہے، اس کے ذریعہ آسانی کے ساتھ دونون کے سنون مہینون اور تاریخ کی مطابقت معلوم ہوجاتی ہے، یہ کتاب تحقیقی کام کرنے والون کے لئے بڑی کارآمد ہے،

"م"

جلد ۷۴ ماہ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۵۴ء عدد ۳

مضامین

……… ⁂ ………